معتزلہ

اور اُن کے عروج و زوال

کے متعلق

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر کا ایک
بسیط لکچر جو مسلم ایکڈیمی کے جلاس منعقدہ ۱۹ر نومبر ۱۹۲۶ء
میں پیش ہوا

اور

خاکسار محمد سراج الحق (حکیم) نیجر و پرنٹر و پبلشر نے

اس کو ۱۹۲۶ء میں
دلگداز پریس میں چھاپ کر لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان
سے شائع کیا

معتزلہ

اور اُن کا عروج و زوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیت اسلام کی سب سے بڑی اور سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ وہ ایک سیدھا سادہ مطابق فطرت دین ہے۔ اُس نے اپنی ابتدائی تبلیغ مین بجاے دقیق موشگافیون کے جو فلسفیون کو بہکا کے حق اور فطرۃ اللہ سے ہٹاتی رہتی ہین دنیا کو ایسا عملی دین بتایا جو تمدن انسانی اور فطرت دنیوی کے لیئے تمام قوانین و شرائع سے زیادہ مناسب تھا۔ اور اُس نے فلسفیون کے جنون زا خیالات و شبہات کو الگ پھینک کے ایسے دینی و دنیوی اعتدال کا راستہ بتایا جو نوع انسانی کی اصلاح مین بہر وجوہ بہتر اور افضل ترین کہا جا سکتا ہے۔

ایک طرف جملہ مذاہب عالم کے دیندار و پرہیزگار تارک الدنیا راہب بن گئے تھے۔ اور دنیا سے اس قدر بے تعلق ہو گئے تھے کہ اُن سے دین و دنیا کو بجاے فائدے کے ضرر پہونچ رہا تھا۔ وہ گویا دنیا مین آئے ہی نہ تھے اور دنیا والون سے اُنھین کوئی سروکار نہ تھا۔ دوسری طرف دنیادار لوگ خدا اور اُس کی عبادت

سے اس قدر دُور پڑ گئے تھے کہ گویا اُنھین خدا اور اُس کی شریعت سے
کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ اِسی بے اعتدالی کو اسلام نے مٹایا۔ دینداروں
سے کہا دنیا مین آنے کا یہ مقصد نہین کہ اپنی نجات اور خداپرستی کی دھن
مین دنیا والون کی فلاح اور عالم کی اصلاح کو بھول جاؤ۔ اور دنیا دارون
کو بتایا کہ دنیا کی ہوس اور عیش پرستی مین اتنے غافل نہ ہو کہ خدا بھی یاد نہ
رہے۔ چنانچہ تمام دنیوی لذتین ایک صحیح اور سچے اعتدال کے ساتھ جائز بتا دی
گئین۔ راہب اور مقتدایان اُمم جو سارا وقت اپنے روحانی انہماک مین
صرف کر رہے تھے اُنھین بتایا گیا کہ اتنا محدود وقت خداپرستی مین صرف
کر کے دنیا کو اعتدال سے برتو تو تمھارا ہر دنیوی کام بھی موجب ثواب اور
عبادت کے حکم مین ہو گا۔ دنیا پرستون سے کہا کہ تم مشاغل دنیوی کو چھوڑ
کے اتنا وقت عبادت الٰہی مین صرف کرو تو تمھارے دنیوی کام بھی دین کے
کام بن جائین گے۔ اس طرح عابد و دنیا پرست اور مقتدا و مقتدی دونون
ایک درجے پر آ کر ایک رنگ کے ہو جائین گے۔

صحابہ کے عہد اور خیر القرون کے بابرکت زمانے تک یہ یکسانی
قائم رہی۔ سیدھے سادے عقائد رہے بخلوص و بے ریائی کی عبادت
رہی۔ اور مسلمانون کی دینی و دنیوی ترقی کی کوئی حد و نہایت نہ تھی۔
اصول و اعتقادی مسائل مین کبھی کوئی شخص عقلی شک و شبہ
ظاہر بھی کرتا تو قرآن و حدیث کے احکام و نصوص بتا کے خاموش کر دیا
جاتا۔ نہ کسی کا عقیدہ بدلتا۔ اور نہ کسی کے زہد و تقویٰ مین فرق آتا۔

مگر تعلیمات نبوت کا اثر جس قدر کمزور ہوتا گیا اُسی قدر وسوسہ ہاے شیطانی نے قیل وقال اور چون وچرا کے شبہے پیدا کرنا شروع کر دیے۔

پیرو دین علماے سلف نے خوب کہا ہے کہ حکم الٰہی یا نص کے مقابلے مین سب سے پہلے جس نے بر بناے قیاس چُون وچرا کا شُبہ پیش کیا وہ شیطان تھا۔ خدا نے حکم دیا کہ آدم کا سجدہ کرا ور اُس نے یہ قیاسی حُجت پیش کی کہ کیون کرون۔ جبکہ مین آدم سے افضل ہون۔ مین آتشین نزاد ہون۔ اور آدم ذلیل خاکی پتلا۔ مین تو تیرے سوا کسی کے آگے سجدہ نہ کرون گا۔ یہ نص صریح کے آگے پہلی فلسفیانہ قیاسی مخالفت تھی۔

بعینہٖ اسی طرح پہلی صدی اسلامی کے ختم ہونے سے پیشتر ہی عقائد اسلامیہ منصوصہ کے مقابل عقلی گدے لگائے۔ اور قیاسی شُبہے پیش کیے جانے لگے۔

چنانچہ صحابہ کے زمانے ہی مین مَعبد جُہنی غِیلان دمشقی اور یونس اسواری نے قدریہ کے عقائد کا اظہار کیا۔ اور برائی بھلائی کے مقدر ہونے پر اعتراض کرنے لگے کہ جب خدا نے بندون کے افعال اپنے اختیاری رکھے ہین تو پھر ثواب وعذاب کی کیا وجہ ہے۔ مگر اُس وقت اُن کے یہ شُبہات اُنھین پر ختم ہو گئے۔ اور فتنہ بڑھنے نہ پایا۔

اب وہ زمانہ آیا کہ حضرت حَسن بصری جامع بصرہ مین حدیث کا درس دے رہے تھے۔ اُن کی ولادت ۲۱ھ مین ہوئی تھی اور ۱۱۰ھ مین سفر آخرت فرمایا۔ وہ ایک دن بصرے کی جامع مسجد

مین طلبہ کے حلقہ مین بیٹھے درس حدیث دے رہے تھے کہ شاگردون مین سے واصل بن عطا غزال نام ایک شخص نے اُٹھ کے سوال کیا۔ "یا امام زمانہ اِن دنون جدا جدا خیالات کے مختلف گروہ پیدا ہو گئے ہین۔ ایک اُن لوگون کو کافر بتاتا ہے جو کبیرہ گناہون کے مرتکب ہون۔ اور دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ کبیرہ گناہون سے دین مین مطلق خلل نہین پڑتا۔ اس لیے کہ اُن کے اعتقاد مین عمل کو دین و ایمان مین کوئی دخل نہین۔ پہلا اعتقاد خوارج کا ہو۔ اور دوسرا مرجیہ کا۔ آپ اس بارے مین کیا ارشاد فرماتے ہین؟" حضرت حسن سر جھکا کے غور فرمانے لگے لیکن قبل اس کے کہ آپ جواب دین واصل خود ہی بول اُٹھا "اور مین تو یہ کہتا ہون کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن مطلق ہے۔ اور نہ کافر مطلق۔ بلکہ کفر و ایمان کے درمیان اُس کا ایک تیسرا درجہ ہے۔ نہ وہ کافر ہے نہ مومن ہے" یہ کہتے ہی وہ حضرت حسن کے حلقہ درس سے اُٹھ کر مسجد کے ایک دوسرے ستون کے پاس جا بیٹھا۔ اپنے اس نئے خیال کی تبلیغ کرنے لگا۔ اور اپنا ایک نیا حلقہ تعلیم جاری کر دیا۔ حضرت حسن نے اُس کی یہ سرتابی دیکھی تو فرمایا۔ "اِعتزل عنا" یعنی ہم سے الگ ہو گیا۔ اور اُسی وقت سے اُس کے گروہ کا نام حضرت حسن کے اِن الفاظ کی بنیاد پر "معتزلہ" پڑ گیا۔ اس کے بعد واصل نے اپنے اور اعتقادات ظاہر کرنا شروع کیے جو زیادہ تر اصل عقل و قیاس پر مبتنی تھے۔

بعد ازان حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے زید

شہید واصل بن عطا کے شاگرد ہوئے۔ اور کہتے ہیں کہ شیعوں کا سب سے پہلا فرقہ "زیدیہ" ہے جو انھیں کی جانب منسوب ہے۔ چنانچہ زیدیہ لوگوں کے اور نیز اثنا عشری شیعوں کے وہی عقائد ہیں جو واصل بن عطا کے تھے۔

اس زمانے سے معتزلہ لوگوں نے زیادہ انہماک کے ساتھ فلسفہ کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ اور جب ہارون و مامون کے عہد میں فلسفہ یونان کی کتابیں بہ کثرت ترجمہ ہوئیں تو ان لوگوں کو اپنے خیالات و شبہات کے لیے فلسفی دلیلیں مل گئیں۔ اور انھوں نے ایک نیا عقلی اسلامی فن ایجاد کیا جس کا نام "علم کلام" قرار دیا۔

محدثین و فقہائے سلف اور بڑے بڑے ائمۂ دین ان لوگوں کو جہاں کہیں نصوص کتاب و سنت کے خلاف پاتے مخالفت کرتے۔ آخر کار باہم مناظرے چھڑ گئے۔ معتزلہ اپنی عقلی دلیلوں سے ان کو پریشان و لاجواب کرتے۔ اور وہ کہتے کہ "ہم قرآن و حدیث کو بے دلیل مانتے ہیں۔ اور تمھاری ان قیاسی خیال آرائیوں اور عقلی کاوشوں سے ہمارے اعتقاد میں فرق نہیں آ سکتا۔" امام احمد حنبل اور امام شافعی و دیگر ائمۂ حدیث نے تو وہی طریقہ رکھا کہ کتاب و سنت میں جو پاتے چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس پر اعتقاد رکھتے۔ اور کہتے۔ خدا کہتا ہے کہ وہ عرش پر کھڑا ہے ہم بھی مانتے ہیں کہ وہ کھڑا ہے۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا کھڑا ہونا کیسا ہے؟ اتنی

طرح وہ اپنے ید اور وجہ (ہاتھ اور منھ) بتاتا ہے۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہین کہ اُس کے ید اور وجہ ہین مگر یہ نہین جانتے کہ اُس کا ید کیسا ہے اور وجہ کیسا ہے۔

معتزلہ کہتے کہ "اگر خدا اکھڑا ہے تو لازم ہے کہ کسی محل اور وضع مین ہو۔ اُس کے ہاتھ اور چہرہ ہین تو ماننا پڑے گا کہ جسمانی پُتلا ہے" اور محدثین جب جواب دیتے کہ "ہم نہ اُس کے جسم مانتے ہین نہ اعضا اور نہ اُس کا کسی وضع و محل مین ہونا تسلیم کرتے ہین۔ مگر یہ ضرور کہین گے کہ خود اُس نے اپنے آپ کو اپنے کلام مین جن چیزون کی جانب منسوب کیا ہے اُن کی طرف وہ ضرور منسوب ہے۔ گو ہم نہین جانتے کہ اُس کا کھڑا ہونا کیسا ہے اُس کے ہاتھ کیسے ہین۔ اُس کا چہرہ کیسا ہے۔ مگر اُس کے ارشاد کے مطابق اِن سب چیزون کے موجود ہونے کے قائل ہین" تو اُس پر تمسخر کرتے۔

آخر جب اہل حدیث کی طرف سے قرین قیاس عقلی جواب شافی نہ دیے جاسکے اور قیاس پرست معتزلہ نے اُن کا مضحکہ اُڑانا شروع کیا تو مسلمان کثرت سے اُن کے پیرو ہونے لگے یہان تک بنی عباس کے نامور خلفاے سلف۔ مامون رشید معتصم باللہ متوکل علی اللہ۔ اور واثق باللہ نے بھی معتزلہ کے مسلک کو اختیار کر لیا یہ حالت دیکھ کے علماے دین مین سے عبداللہ بن سعید کلابی ابو العباس قلانسی۔ اور حارث محاسبی نے حاجت مگر ناگواری کے ساتھ معتزلہ ہی کے انداز سے حمایت

دین میں عقلی جوابات دینا شروع کیے۔ اِس سے اُن بزرگوں کے ذاتی اعتقادات پر اگرچہ کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ مگر بحث کا انداز ایسا تھا کہ انھیں معتزلہ ہی کی وضع کی باتیں کرتے دیکھ کر مستند ائمہ محدثین اُن پر بھی بدگمانیاں کرنے لگے۔

اِن دنوں ایک طرف تو اکابر محدثین معتزلہ سے اس درجہ بدگمان تھے کہ حمایتِ دین اور اُن کے مسلکِ حق کے ثبوت میں بھی اگر کوئی عالم فلسفیوں کی طرح عقلی دلیلیں پیش کرتا تو وہ اُس کو بُرا سمجھنے لگتے۔ دوسری طرف معتزلہ کی یہ حالت تھی کہ پیروانِ کتاب و سنت کو احمق اور جاہل سمجھتے اور جب اُن کو اپنے منقولی مذہب سے کسی طرح ہٹتے نہ دیکھا۔ تو انھیں کافر و بے دین بلکہ مشرک کہنے لگے۔ اور ہم مذہب خلفا کی مدد سے اُن پر جور و تشدد شروع کر دیا۔ چنانچہ معتزلی العقیدہ خلفائے بنی عباس نے علمائے حدیث و فقہ پر بے حد مظالم کیے۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ اہل سنت کو نہ بھاگنے کا راستہ ملتا تھا اور نہ کوئی پناہ کی جگہ نظر آتی۔

اب ہم مختصر طور پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ معتزلہ کے اصلی عقائد کیا تھے۔ اور فلسفہ کی آمیزش نے انھیں کس طرح بہا کے قرآن کے دامن سے ہٹا کر اُس پہاڑی کے پاس پہنچا دیا تھا جس پر یونانیوں کے دیوتا **اپالو** کا مندر بنا ہوا تھا۔

اِن لوگوں کے زیادہ تر مباحث اصولی مسائل سے تعلق رکھتے تھے۔ لہذا یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ متکلمین کی مراد اصولی

مسائل سے کیا ہے۔ دین مین دو باتین ہین۔ اول معرفت باری تعالےٰ۔ دوسری اُس کی عبادت۔ یہ ظاہر ہے کہ معرفت اصل ہے۔ اور عبادت فرع۔ لہذا جو مسائل معرفت و توحید کے متعلق ہون وہ اصولی ہین اور جو مسائل عبادت و شریعت سے علاقہ رکھین وہ فرعی۔ اسی بنا پر علم کلام کا موضوع اصول ہین۔ اور علم فقہ کا موضوع فروع اسی تقسیم کی بنا پر معتزلہ اور اُن کے علم کلام کے مسائل توحید۔ عدل۔ وعد وعید۔ اور سمع و عقل قرار پا گئے۔

وضاحت کے لیے مین مذکورہ مسائل اصول کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہون۔

اول توحید۔ اس کی نسبت اہل سنت اور وہ تمام لوگ جو صفات باری تعالیٰ پر عقیدہ رکھتے ہین سب کا یہ مسلک ہے کہ اللہ جل شانہ اپنی ذات مین واحد ہے۔ اُس کا کوئی قسیم یعنی برابر والا نہین۔ وہ اپنے جملہ صفات الٰہیہ مین اکیلا ہے۔ یعنی کوئی اس کا نظیر نہین اور اپنے جملہ افعال مین بھی اکیلا ہے یعنی کوئی اس کا شریک نہین۔ اس کے خلاف معتزلہ کا یہ عقیدہ تھا کہ باری تعالیٰ اپنی ذات مین اس طرح واحد ہے کہ نہ اُس کی تقسیم ہو سکتی ہے اور نہ اُس مین کوئی صفت ہے۔ اور اپنے افعال مین یون واحد ہے کہ اُس کا کوئی شریک نہین۔ لہذا نہ اس کی ذات کے سوا کوئی قدیم ہے۔ اور نہ اُس کے افعال مین کوئی اور حصہ دار ہے۔ دو قدیمون کا ہونا محال ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس دو قادرون

کے درمیان ایک مقدور کا ہونا بھی غیر ممکن ہے۔ یعنی کوئی مخلوق نہیں ہوسکتا جس پر دو قادروں کی حکومت ہو۔ یہ معتزلہ کے خیال کی فلسفیانہ توحید ہے۔

دوسرے عدل۔ عدل کے بارے مین اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے اپنے افعال مین عادل ہونے کے یہ معنی ہین کہ وہ جل شانہ اپنے ملک اور اپنے مملوکون مین جیسا تصرف چاہتا ہے کرتا ہے۔ لہذا اُس کے عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی مخلوق مین اپنی مشیّت کے مطابق جیسا تصرف چاہے کرے۔ اور جو اس کے ضد ہو اُس کا نام اہل سنت کی اصطلاح مین ظلم ہے۔ لہذا اُس کے حکم مین کسی طرح کے جور اور اُس کے تصرف مین کسی قسم کے ظلم کا ہونا محال ہے۔ اس کے خلاف معتزلہ کہتے ہین عدل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا ہر کام اور ہر تصرف ہماری حکمت اور ہماری عقل کے تقاضے کے مطابق ہو۔ یعنی اُس کے ہر فعل کا از روے عقل انسانی بہترین صورت پر ہونا لازم ہے۔

تیسرے وعد و وعید یعنی اُس کا وعدۂ ثواب کرنا اور عذاب کا خوف دلانا۔ اس مین یہ اختلاف ہے کہ اہل سنت کے نزدیک وعد و وعید خدائے تعالیٰ کا کلام ازلی ہے۔ اُس نے جو احکام نافذ فرمائے اُن پر عمل کرنے کی صورت مین وعدۂ ثواب کیا۔ اور جو ممنوعات بتائے اُن کے ارتکاب پر عذاب کی دھمکی دی۔ لہذا جو نجات پائے وہ اُس وعدے کے مطابق مستحق ثواب ہوا۔ اور جو گنہگار ہو وہ اُس کے مطابق

مستوجب عقاب ہوا۔ تقاضائے حکمت اور فیصلۂ عقل کی وجہ سے کوئی چیز اُس جل جلالہ پہ واجب نہین ہے۔ برخلاف اس کے معتزلہ کہتے ہین کہ کلام باری اول مین تھا ہی نہین۔ اور اُس نے جو حکم فرمائے یا جن باتون سے منع کیا یا کوئی وعدہ کیا یا کسی عذاب سے ڈرایا سب اپنے کلام حادث سے کیا۔ لہذا جس کی نجات ہوئی اپنے افعال سے ہوئی۔ اور مستحق ثواب ہو گیا۔ اور جو مبتلائے عذاب ہوا خود اپنے افعال کے پاداش مین پکڑا گیا۔ اور از روے اصول حکمت عقل اسی کی متقاضی تھی۔

چوتھے سمع و عقل سمع سے مراد قرآن و حدیث ہین جو بذریعۂ سماعت سنے گئے۔ اور عقل سے مراد تقاضائے عقل ہے۔ اس مسئلہ مین اہل سنت کا یہ اعتقاد ہے کہ بندہ جتنے فرائض اور واجب امور کا مکلف ہے سب سمع سے یعنی قرآن و حدیث سے ہین معرفت معرفتین عقل سے حاصل ہوتی ہین۔ لہذا عقل نہ کسی چیز کو اچھا کرتی ہے نہ کسی چیز کو بُرا۔ نہ وہ کسی بات کی مقتضی ہوتی ہے۔ اور نہ کسی کام کو واجب کرتی ہے۔ اور سمع سے اگرچہ معرفت نہین حاصل ہوتی۔ مگر احکام کو واجب وہی کرتی ہے۔ اس کے خلاف معتزلہ کے نزدیک عقل سمع پہ قاضی اور حاکم ہے۔

انھین مسائل کی بنا پر معتزلہ اپنے آپ کو سب سے بڑا موحّد بتاتے اور اپنا لقب ''اصحاب عدل و توحید'' قرار دیا تھا۔

اُن کے عام اعتقادات یہ تھے کہ اللہ جل شانہ قدیم ہے اور قدیم ہونا اُس کی خاص ترین صفت ذات ہے۔ صفات باری کے قدیم ہونے سے اُن کو کُلیتہً انکار تھا۔ اور اُس جل شانہ کے عالم قادر اور حی (زندہ) ہونے کے بارے مین وہ یہ تقریر کرتے کہ وہ عالم علم سے اور قادر قدرت سے اور حی حیات سے نہین بلکہ اپنی ذات سے عالم و قادر و حی ہے۔ یہ تینون قدیم صفات ایک قسم کے معانی ہین جو اُس کی ذات قدیم مین قائم ہین۔ کیونکہ اگر صفات علم و قدرت و حیات اُس کی ذات مین شریک ہو جائین گے تو تعدد ذات لازم آئے گا اور یہ شرک ہے۔

اس مسئلہ مین بھی اُن کے سب گروہون کو اتفاق تھا کہ باری تعالیٰ کا کلام حادث اور ایک خاص محل مین مخلوق ہے جس سے عبارت حرف آواز ہے۔ قرآن کے نسخون مین جو کلام موجود ہے وہ اس کلام مذکورہ کی نقل ہے۔ اُن کے اس خاص مسئلہ نے دوسری اور تیسری صدی ہجری مین اہل سنت کے محدثین اور فقہاے سلف مین قیامت بپا کر دی تھی۔ اور بڑے بڑے علما کلام الٰہی کے قدیم کہنے کے جرم پر اسیر و پابزنجیر کیے گئے۔ اور بہت سے قتل ہو گئے۔

اس مسئلہ مین بھی سب معتزلہ متفق ہین کہ اس کے ارادے سُننے۔ اور دیکھنے کی صفتین جو قرآن و حدیث مین متواتر خدا کی جانب منسوب کی گئی ہین وہ ایسے معانی بھی نہین ہو سکتین جو اُس جل شانہ کی ذات مین قائم ہون۔ مگر اس مین اُن کے درمیان اختلاف پڑا

ہوا ہے کہ اِن صفتون کا وجود کیونکر ہے؟ اور اگر وہ معانی ہین تو اُن کا محل کون ہے؟

عالم آخرت مین رُویت باری تعالیٰ کے انکار مین بھی سب کو اتفاق ہے۔ اسی طرح اُن تمام صفات سے بھی قطعاً انکار کرتے ہین جن سے عقلاً خدا کا کسی جہت یا مکان مین ہونا یا جسمانی ہونا یا متحیز ہونا یا اُس کا نقل وحرکت کرنا ظاہر ہو۔ اور جن آیات قرآنی مین ان امور کا ذکر آگیا ہے اُن کو متشابہ کہتے اور اُن مین تاویل کرنا واجب جانتے ہین۔ اور اسی اعتقاد کو وہ اپنے نزدیک اصلی توحید تصور کرتے ہین۔

اس عقیدے مین بھی تمام معتزلہ کو اتفاق ہے کہ بندہ اپنے کامون پر قادر اور اپنے بُرے بھلے تمام افعال کا خود ہی خالق ہے۔ چنانچہ انھین افعال کی بنا پر مستوجب سزا وجزا ہو گا۔ حضرت عزاسمہٗ کی ذات اس سے مبّرا ومنزہ ہے کہ اُس کی جانب برائی ظلم۔ جور اور افعال کفر ومعصیت کو منسوب کیا جائے۔ اس لیے کہ وہ ظلم کو پیدا کرے تو ظالم قرار پائے گا جیسے کہ عدل کے پیدا کرنے سے وہ عادل ہے۔

یہ بھی اُن کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ اللہ جل شانہ صرف بھلائی اور نیکی کرتا ہے۔ ازروے حکمت بندون کے مصالح کا لحاظ رکھنا اُس پر واجب ہے۔ اگرچہ اس بارے مین وہ باہم مختلف ہین کہ آیا اُس پر یہ بھی واجب ہے کہ وہی کام کرے جو سب سے اچھا ہو۔ اور بندون کے حال پر لطف کرے۔ اسی چیز کا نام اُنھون نے اپنی اصطلاح

مین عدل رکھا ہے۔

اس مسئلہ مین بھی سارے معتزلہ متحد الخیال ہین کہ مومن اگر اطاعت و توحید کے ساتھ دنیا سے جائے تو مستحق ثواب ہوگا۔ اور خدا کی جانب سے اجر یا فضل ہونا جداگانہ معانی سے عبارت ہے۔ اور یہ چیزین ثواب کے علاوہ ہین۔ لیکن اگر انسان گناہ کبیرہ مین مبتلا ہونے کے بعد بغیر توبہ کیے دنیا سے جائے تو وہ ہمیشہ مبتلاے عذاب رہے گا۔ ہان اُس کا عذاب کفار کے عذاب سے خفیف البتہ رہے گا۔ اور اسی چیز کو وہ لوگ اپنی اصطلاح مین وعد و وعید کہتے ہین۔

اس مسئلہ مین بھی سارے معتزلہ کا اتفاق ہے کہ حصول معرفت اور شکر نعمت سمع یعنی نص شرع کے وارد ہونے سے پیشتر ہی انسان پر واجب تھے۔ پھر اس کے ساتھ کہتے ہین کہ اچھے اور برے کی معرفت عقل سے ہوتی ہے۔ یعنی اچھا کام کرنا اور برے کامون سے بچنا انسان پر از روے عقل واجب ہے۔ تکالیف شرعیہ کا نزول خدا کی مہربانیان ہین جن کو اُس نے انبیا کے ذریعے سے بھیجا۔ اور بندون کو اختیار دے کر آزمایش مین ڈالا۔ تاکہ جو ہلاک ہو دلیل [illegible] ہان سے ہلاک ہو۔ اور جو جیے دلیل سے جیے۔

اِنھین عقائد کی بنا پر اُنھین قدریہ کہتے ہین۔ جس کے اصطلاحی معنے یہ ہین کہ وہ بندون کے اپنے افعال پر قدرت رکھنے اور اُن کے فاعل مختار ہونے کے قائل ہین لیکن اس عقیدے کی مذمت مین کئی

صریح اور صحیح حدیثیں وارد ہیں جن کی صحت میں معتزلہ کو بھی شک نہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ "القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ" یعنی قدر کا عقیدہ رکھنے والے اس اُمت یعنی امت محمدی کے مجوسی ہیں۔

دوسری یہ کہ "القدریۃ خصماء اللہ فی القدر" یعنی قدریہ لوگ مسئلۂ قدر میں خدا کے دشمن ہیں۔ ان حدیثوں کی زد سے بچنے کے لیے معتزلہ نے لفظ قدر کے معنی ہی بدل کے بہت عام کر دیے۔ اور کہنے لگے "قدر" اس عقیدے کا نام ہے کہ کہا جائے خیر و شر دونوں خدا نے مقدر کر دیے ہیں۔ مگر قدر کے جو معنی ہم نے پہلے بتائے وہ عہد رسالت سے چلے آتے تھے۔ اور کبھی پیشتر یہ معنی نہیں سمجھے گئے جو لغت میں تصرف کر کے معتزلہ نے بتائے ہیں۔

امامت کے مسئلہ میں معتزلہ میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض شیعوں کے عقائد کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔ اور بعض اہل سنت کے ہم خیال ہیں۔

یہ وہ مسائل تھے جن میں تمام ائمہ معتزلہ کو اتفاق ہے۔ مگر کتب فلسفہ کے مطالعے سے اُن پر یونان کے فلاسفۂ الٰہیین اور طبعیین دونوں کے خیالات کا روز بروز زیادہ اثر پڑتا گیا۔ اور ہر روز اُن کی ایک نئی شان نظر آئی۔ چنانچہ اُن کے مختلف فاضلوں نے اپنے مجتہدانہ اندام اور فلسفیانہ اسلوب سے ہر روز ایک نئی صورت دکھائی۔ اور اُن کے بہت سے فرقے ہو گئے۔ جن میں سے بارہ کا شہرستانی نے خاص طور پر

ذکر کیا ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہین۔ واصلیہ[1]۔ ہذیلیہ[2]۔ نظامیہ[3]۔ حائطیہ[4]۔ بشریہ[5]
معمریہ[6]۔ مزداریہ[7]۔ ثمامیہ[8]۔ ہشامیہ[9]۔ جاحظیہ[10]۔ خیاطیہ[11]۔ جبائیہ[12]۔

مسلمانون کی واقفیت اور مذکورہ فرق معتزلہ کی حکیمانہ جہالت کی دکھانے کے لیے مین مختصر طور پر اُن سب کے خیالات وعقائد کا بیان کردینا ضروری سمجھتا ہون۔ اور بغیر اس کے آپ کو اس عہد کے خطرناک ترین فتنے کا صحیح اندازہ بھی نہ ہوسکے گا۔

واصلیہ یہ فرقہ اُسی واصل بن عطا غزال کا پیرو ہے جس نے حضرت حسن بصری کے حلقۂ درس سے جُدا ہوکر اپنی نئی مسجد بنائی۔ اور جس کی اس حرکت سے معتزلہ کو "اعتزال" کا خطاب ملا۔ یہ شخص عبدالملک بن مروان کے عہد سے ہشام بن عبدالملک کے عہد تک تھا۔ اس کے پیرو سرزمین اندلس تک جا پہونچے تھے۔ اور "واصلیہ" کہلاتے تھے۔ ان کے عقائد کو چار بحثون سے تعلق ہے جن کو وہ قاعدے کہتے ہین۔

پہلا قاعدہ یہ تھا کہ ان لوگون کو خدا کے صفات علم۔ قدرت ارادے۔ اور حیات سے انکار تھا۔ اس عقیدے کی بنیاد واصل نے اس ظاہری مسلّم الثبوت مسئلہ پر رکھی جس کے ماننے مین کسی کو بھی شبہ نہین کہ "دو قدیم ازلی خداؤن کا وجود محال ہے"۔ چنانچہ کہا کرتا جس کسی نے کسی معنے یا صفت کو قدیم بتایا اُس نے گویا دو خداؤن کے موجود ہونے کا دعوی کیا۔

اُس کے پیروؤن نے اُس کے بعد فلاسفۂ یونان کی کتابون

کا مطالعہ کیا۔ اور بڑھتے بڑھتے اس حد کو پہونچے کہ خدا کے جملہ صفات کے منکر ہو گئے۔ سب صفتون کو اُس کے عالم و دانا ہونے کی دو صفتون مین سمیٹ لائے۔ اور حکم لگایا کہ یہ اُسکی ذاتی صفتین ہین۔ ہوتے ہوتے جبائی نے کہہ دیا کہ "یہ دونون اُسکی ذات کے دو اعتبارات" ہین۔ اور بقول ایک دوسرے مجتہد فی الاعتزال ابو ہاشم کے "دو حالتین ہین"۔ انھین متکلمین معتزلہ کا دعویٰ ہے کہ حسن بصری بھی اس جانب مائل ہو گئے تھے کہ انھون نے باری تعالیٰ کے جملہ صفات کو اکیلی ایک صفت عالمیت مین سمیٹ دیا۔ مگر مجھے اس کا یقین نہین۔ اس لیے کہ تمام ائمۂ محدثین سلف اس خیال کے کلیتہً خلاف تھے۔ اور کیون نہ خلاف ہوتے جبکہ کتاب و سنت مین اللہ جل شانہ کے بہت سے صفات کو صاف اور صریح الفاظ مین مذکور پاتے تھے۔

دوسرا قاعدہ۔ عقیدۂ قدر کے متعلق تھا۔ اس مین واصل بن عطا نے اُس مبتدع مسلک کو اختیار کر لیا تھا جس کا فتنہ معبد جہنی اور غیلان دمشقی سے ظاہر ہونے کے بعد اب دب چکا تھا۔ اس مسئلہ مین واصل کو پہلے قاعدے سے زیادہ انہماک تھا۔ اور اُس کی تقریر اس مسئلہ مین یہ تھی کہ "باری تعالیٰ حکیم و عادل ہے۔ لہذا اُسکی جانب ظلم و شر کو منسوب کرنا جائز نہین۔ اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ بندون کو جو حکم دے اُس کا ارادہ اُس کے خلاف ہو۔ خود ہی ایک بات کا حکم دے۔ اور پھر اُسی کی بنا پہ عذاب کرے۔ اس لیے ضرور ہے

خود بندہ فاعل خیر و شر ہو۔ اور خود اپنے اختیار سے ایمان وکفر کو اختیار کرے۔ یا عبادت و معصیت کرے۔ اس صورت مین بندے کو خود اپنے افعال کا بدلہ ملے گا۔ پروردگار جل شانہٗ نے اُس کو اُن افعال کی قدرت دی ہے۔ غرض بندے اپنے افعال حرکات سکنات۔ اعتقادات افکار اور علوم مین پورے مختار ہین"

اُس کا یہ بھی مقولہ تھا: محال ہے کہ بندے کو ایک حکم ہو اور اُس پر عمل کرنا اُس کے امکان سے باہر ہو۔ وہ بالطبع اپنے لیے قدرت اور عمل چاہتا ہے۔ اور اُس کی اس فطرت سے انکار کرنا بداہت کا منکر ہونا ہے" مگر تعجب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورۂ بالا اقتدارات کے ساتھ واصل نے بلا مین پڑنے۔ عافیت۔ شدت۔ راحت۔ مرض شفا۔ حیات زندگی اور موت کو بھی اقتدارات انسانی کے ضمن مین رکھا ہے۔

تیسرا قاعدہ "منزلت بین منزلتین" کا مسئلہ جس کی دھن مین وہ اپنے اُستاد سے جدا ہوا تھا۔ اس مین اُس کا اعتقاد یہ تھا کہ کافر و مومن کے درمیان ایک تیسرا درجہ فاسق کا ہے۔ جو خیال ظاہری نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔ اُس کا یہ بھی بیان تھا کہ آخرت مین صرف دو گروہ ہون گے۔ ایک جنت والون کا اور دوسرا دوزخ والون کا۔ فاسق وہان دونون سے جدا ہوگا۔ اُس پہ عذاب مین تخفیف ہوگی۔ اور اُس کا مقام کافرون

سے بالاتر ہو گا۔

ہذیلیہ ابو ہذیل حمدان بن ابی الہذیل علاف کے پیرو۔ یہ معتزلہ کا بہت بڑا امام تھا۔ اور اُن کی طرف سے مناظرہ کیا کرتا واصل بن عطا کے شاگرد خالد طویل کا شاگرد تھا۔ اور دس مسئلون مین اُس نے عام معتزلہ لوگون سے اختلاف کیا۔

پہلا اللہ تعالیٰ عالم ہے علم سے اور اُس کے علم سے مراد خود اُس کی ذات پاک ہے۔ اسی طرح وہ قادر ہے قدرت سے اور حی ہے حیات سے۔ اور یہ سب صفات اُس کے عین ذات ہین۔ جن لوگون کو فلاسفۂ یونان کے خیالات معلوم ہین وہ بخوبی سمجھ سکتے ہین کہ یہ باتین انھین سے لی ہوئی ہین۔ یونان کے حکیمون کا اعتقاد تھا کہ باری تعالیٰ واحد ہے جس مین کسی قسم کی کثرت نہین اور صفات ذاتِ باری سے الگ کوئی معانی قائم بالذات نہین بلکہ اُس کے عین ذات ہین۔ جو لوگ خدا سے تعالیٰ کو علم سے نہین بلکہ خود اپنی ذات سے عالم بتاتے ہین اور وہ لوگ جو اُس وحدہٗ لاشریک کو علم کے ذریعہ سے عالم بتاتے مگر اُس علم کو عین ذات کہتے ہین دونون مین فرق یہ ہے کہ پہلے نفی صفت کرتے اور ذات باری کو بے صفات ثابت کرتے ہین۔ اور دوسرے صفت کو مانتے ہین مگر اُسے عین ذات باری کہتے ہین۔ ابوالہذیل اپنے خیال کے مطابق اگر ذات باری تعالیٰ مین صفات وجہات

کو ثابت کر سکے تو یہ بعینہ نصاریٰ کا مسئلہ "اقانیم ثلثہ" ہوگا۔

دوسرا اُس نے ایسے ارادوں کے موجود ہونے کا دعوی کیا جو کسی محل مین نہ ہون اور اُنھین ارادون کا مرید یعنی ارادہ کرنے والا خداے جل جلالہٗ کو بتایا۔ مگر متاخرین معتزلہ اس مسئلہ مین اُس کے خلاف ہین۔

تیسرا باری تعالیٰ کے کلام کے بارے مین اُس نے دعوی کیا کہ اُس مین سے بعض ایسے ہین جو کسی محل مین نہین قائم ہین۔ جیسے کہ اُس کا قول "کُن" جو کسی محل مین نہ تھا۔ اور بعض محلون مین ہین جیسے اوامر نواہی۔ اور اخبار۔ اس مسئلہ مین اُس نے یہ تفریق کی ہے کہ تکوین یعنی پیدا کرنے کا حکم دینا اور "کن" کہنا اور ہے اور تکلیف یعنی بندون کو مکلّف بنانے کا حکم اور ہے۔

چوتھا۔ مسئلہ قدر جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ اس مین اگرچہ سارے معتزلہ اُس کے ہم خیال ہین مگر اُس نے سب سے الگ ایک تھوڑی سی جدّت طرازی بھی کی ہے یعنی وہ دنیا مین تو قدر کا قائل ہے۔ مگر آخرت مین جبر کا۔ کہتا ہے "جنت و دوزخ مین بندون کو اپنے افعال و حرکات پر قدرت نہ حاصل ہوگی۔ اُن کے تمام افعال خداے تعالےٰ کے مخلوق ہون گے کیونکہ وہان اگر اُن کے افعال اختیاری ہوتے تو وہ مکلّف بھی ہوجاتے"۔

پانچوان اُس کا دعوی ہے کہ جنت اور دوزخ والون

کے افعال و حرکات منقطع ہو جائینگے اور وہان ایک سکون کا عالم ہو گا۔ اُس سکون مین ساری لذتین جنت والون کے ساتھ اور سارے ہموم و آلام دوزخ والون کے ساتھ جمع ہو جائینگے۔ اُس کا یہ عقیدہ جہم کے عقیدے سے اتنا مختلف ہے جو قائل تھا کہ جنت و دوزخ دونون فنا ہو جائینگے۔

چھٹا۔ استطاعت یعنی کچھ کرنے کی قدرت ہونا۔ اس مین وہ کہتا ہے کہ استطاعت ایک عرض ہے بہ خلاف تندرستی و مرض کے۔ اُس نے افعال قلب اور افعال جوارح مین بھی تفریق کی ہے کہتا ہے کہ قدرت و استطاعت نہ ہونے کے باعث افعال قلب کا وجود نہین ثابت ہوتا۔ اور افعال جوارح کے وجود کو اُنھین اختیاری تسلیم کرنے کے باعث اُس نے مان لیا ہے۔ اِس کے ساتھ مدعی ہے کہ بندے کے افعال سے جو امور پیدا ہون وہ بھی اُسی کے افعال ہین۔ بجز رنگ۔ مزے۔ اور بُو اور ایسی تمام چیزون کے جن کی کیفیت نہ معلوم ہو۔ علم و ادراک کے بارے مین وہ کہتا ہے کہ حادث ہین جو سماعت۔ تعلیم یا خبر سے کسی ذات مین پیدا ہو جایا کرتے ہین۔ مگر اُن کو اللہ پیدا کرتا ہے بندون کے افعال نہین ہین۔

ساتوان۔ کہتا ہے صاحب فکر پر واجب ہے کہ ورود سمع سے پہلے ہی خدا کو دلائل سے پہچانے۔ اور نہ پہچانے تو مستوجب

عذاب ہو گا۔ اسی طرح ہر بُری چیز کی بُرائی اور ہر بھلی چیز کی بھلائی کا عقل سے سمجھ لینا بھی اُس پر واجب ہے۔ چنانچہ اچھے کام کو اختیار کرنا اور بُرے کام سے پرہیز کرنا اُس پر واجب ہے۔ عبادت کی نسبت اُس کا قول ہے کہ اُس سے نہ خدا مقصود ہے اور نہ تقرب الٰہی۔

آٹھواں۔ اجل اور رزق کے معاملے مین وہ کہتا ہے کہ تقدیری ہین۔ اگر کوئی شخص نہ قتل کیا جائے تو بھی موت کا مقررہ وقت آتے ہی مر جائے گا کیونکہ عمر مین زیادتی و کمی جائز نہین۔ اور رزق کے بارے مین کہتا ہے کہ جو چیزین جائز ہین وہی رزق ہین ناجائز چیز رزق نہین ہو سکتی۔

نوان۔ بعض لوگ اُس کا یہ عجیب قول بھی بتاتے ہین کہ ارادۂ باری غیر مراد ہے۔ یعنی خود خدا کو اُس کا ارادہ نہ تھا۔ کسی مخلوق کو پیدا کر دینا ہی اُس کا ارادہ ہے۔ اُس کے خیال مین کسی شے کو پیدا کرنا ایک شے غیر ذات ہے۔ پیدا کرنے کی نسبت کہتا ہے کہ وہ خدا کا ایک قول ہے جو کسی محل مین ہے۔ اور مدعی ہے کہ قبل تخلیق عالم ازل مین خدائے تعالیٰ کے سمیع و بصیر ہونے کے یہ معنے ہین کہ عنقریب سُنے اور دیکھے گا۔ اور یہی معنے غفور۔ رحیم۔ خالق۔ اور رازق وغیرہ کے ہین کہ آیندہ بخشے گا۔ رحم کرے گا۔ اور پیدا کرے گا۔ اور روزی دے گا۔

دسوان۔ ایک جماعت نے اُس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے
کہ غائب چیزین جن میں شہادتون سے قائم ہوتی ہے جن مین سے
ایک یا زیادہ کا جنتی ہونا شرط ہے۔ قائل ہے کہ زمین ایسے
اولیاء اللہ اور معصومین سے کبھی خالی نہین رہتی جو نہ جھٹلائے
جاسکین۔ اور نہ کبائر کے مرتکب ہون۔ ہذیل مذکور متوکل علی اللہ
کے زمانے مین سو برس کا ہو کر ۲۳۵ھ مین رہ نورد آخرت ہوا۔

نظامیہ۔ ابو نعیم بن سیار نظام کے پیرو۔ اس شخص نے
کتب فلسفہ کا بہت مطالعہ کیا تھا۔ اور اگلے فلسفیون کی باتون کو
بکثرت معتزلہ کے خیالات مین ملایا کرتا۔ اُس کے مخصوص خیالات
و معتقدات یہ ہین۔

پہلا۔ خیر و شر کے خدا کی جانب سے مقدر ہونے کے انکار
مین وہ اتنا اور بڑھ گیا کہ کہتا ہے "اللہ جل شانہ کی نسبت نہین
کہا جاسکتا کہ وہ بُرائیون اور گناہون پر قادر ہے" دیگر معتزلہ
کہتے تھے کہ "اُن پر خداے تعالے قادر تو ہے مگر کرتا نہین"
نظام اُن کے خلاف کہتا ہے کہ "نہین وہ بُرائی کر ہی نہین سکتا" اور
اِس کی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بُرائی جب بُری چیز ہے اور جس کی جانب
منسوب ہو اُس کی صفت ذاتی ہوا کرتی ہے تو اُسے اللہ جل شانہ
کی جانب کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ اُس سے فعل بد کا
سرزد ہونا بھی بُرائی ہے۔ لہذا واجب ہے کہ ایسا نہ ہو۔ جو ذات

عدل کرنے والی ہو اُس کی نسبت نہین کہا جا سکتا کہ وہ ظلم کی قدرت رکھتی ہے" یہ بھی کہتا ہے کہ جن باتون مین بندون کی رفاہ و فلاح نظر آئے اُن پر تو خدائے تعالےٰ قادر ہے۔ مگر جن باتون مین بندون کی بھلائی مقصود نہ ہو اُن پر اُسے قدرت نہین ہو سکتی۔ اور نہ ہے۔ مگر یہ اصول فقط دنیا کے لیے اور دنیا مین ہے۔ امور آخرت کے بارے مین اُس کا عقیدہ ہے کہ وہان خدا کو اتنی بھی قدرت نہین کہ اہل نار کے عذاب کو کچھ گھٹائے بڑھائے یا اہل جنت کی نعمتون مین کسی قسم کی کمی زیادتی کرے۔ یا کسی کو دوزخ سے نکال کے جنت مین یا جنت سے نکال کے دوزخ مین پہونچادے

لوگون نے اعتراض کیا کہ اس سے تو خدا مجبور ہو گیا قادر تو اُسے کہتے ہین جو اپنے افعال مین سے کسی کے ترک یا اختیار کرنے کی قدرت رکھتا ہو" اُس نے جواب دیا کہ "جو الزام تم مجھے دیتے ہو وہی تم پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اس لیے کہ تم بھی اُس سے بعض افعال کے صدور کو محال بتاتے ہو"

دوسرا۔ ارادۂ باری تعالیٰ یعنی ارادے کی صفت سرے سے متصف ہی نہین ہے۔ اور قرآن و حدیث مین جہان جہان خدا کا ارادہ کرنا بتایا گیا ہے وہان ارادے سے مراد ارادہ نہین بلکہ پیدا اور ایجاد کرنا مقصود ہے۔

تیسرا کہتا ہے کہ بندون کے جملہ افعال صرف حرکات

ہیں۔ سکون بھی حرکت ہی ہے کیونکہ وہ حرکت قیامی کا نام ہے
علوم اور ارادے سب حرکات نفس ہیں۔ اُس کی اصطلاح میں
حرکت تغیر و تبدل کا نام نہیں بلکہ اس سے مراد کسی تغیر کا
میل ہے۔

چوتھا۔ فلسفیوں کی طرح وہ بھی کہتا ہے کہ انسان دمِ
روح کا نام ہے نفس اور جسم اُس کے آلات اور قوالب ہیں۔ روح
کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ ایک جسم لطیف ہے جو بدن کے رگ رگ
اور ریشے ریشے میں جاری و ساری ہے۔ جیسے مائیت گلاب میں۔
دُہنیت تلون میں۔ یا زبدیت دودھ میں۔ روح ہی ہے جسے
قوت استطاعت۔ زندگی۔ اور ارادہ حاصل ہے۔ لہذا وہ کام پر
عمل کرنے سے پہلے ہی مستطیع ہے۔

پانچواں۔ چونکہ قدرت و استطاعت کا درجہ عمل سے
پہلے اور افضل ہے۔ لہذا قدرت و استطاعت ہی خدا کا وہ فعل ہے
جو پیدا کرنے کو واجب کرتا ہے۔

چھٹا۔ جزو لایتجزیٰ سے اس کو بخلاف عام متکلمین کے
انکار تھا۔

ساتواں۔ یہ کہ جوہر بہت سے عرضوں سے مرکب ہے
اور اُنھیں کے مجتمع ہونے سے جوہر بن گیا۔

آٹھواں۔ اس کا دعویٰ تھا کہ خدا تعالیٰ نے تمام

موجودات کو ایک ہی وقت مین پیدا کر دیا۔ اُسی حال پر جس پر کہ اب ہین۔ آدم کی تخلیق اُن کی اولاد کی پیدائش سے پیشتر نہ تھی۔ صرف اُن کا ظہور پہلے اور اولاد کا بعد ہوا۔

نوان۔ قرآن کا معجزہ فقط اس قدر ہے کہ اس مین گذشتہ و آیندہ واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے نہین۔ یہ غیر ممکن نہ تھا کہ عرب کوئی قرآن کی سورت تصنیف کر کے پیش کر دیتے۔

دسوان۔ یہ کہ وہ اجماع کو شرع مین حجت نہین مانتا تھا۔ اور نہ احکام شرعیہ مین قیاس کے جائز ہونے کا قائل تھا کہتا کہ حجۃ صرف امام معصوم کا قول ہوتا ہے۔

گیارھوان۔ تبدیل کا رجحان شیعیت کیطرف تھا چنانچہ وہ کبار صحابہ پر طعن کیا کرتا تھا۔ اُس نے پہلے تو یہ دعوی کیا کہ امامت بغیر نص یعنی صریح حکم خدا و رسول کے نہین ہو سکتی اس کے بعد دعوے کرتا کہ جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علی کی امامت کے بارے مین صریح نص فرما دی تھی اور اُس کو اس قدر صاف اور عیان کر دیا تھا کہ اُس مین ذرا سے شبہ کی بھی گنجایش نہ تھی مگر حضرت عمر نے اُس کو چھپا ڈالا۔ اور سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا۔ اسی طرح کے اور بہت سے الزامات اُس نے حضرت عمر کو دیے جیسے کہ عموماً شیعہ دیا کرتے ہین۔ اسی قدر نہین وہ بہت سی دور از عقل اور

خلاف قیاس روایتوں کو پیش کرکے صحابہ پر طعن و تشنیع کرنے لگا تھا۔

بارھوان۔ یہ کہ جو شخص عاقل اور صاحب بصیرت و نظر ہو اُس پر باری تعالےٰ کی معرفت حاصل کرنا واجب ہے۔ اور انسان کے تمام افعال مین تحسین و تقبیح یعنی بھلا یا بُرا سمجھنے کا حاکم اور قاضی وہ شرع کے مقابلے مین عقل کو بتاتا۔

تیرھوان۔ وعدو وعید کے مسئلہ کے متعلق اُس نے فیصلہ کیا کہ چوری، ظلم اور فسق جب تک زکوٰۃ کے درجے یعنی دو سو درہم کی مقدار کو نہ پہونچ جائین جرم نہین ہین۔

حائطیہ۔ احمد بن حائط کے پیرو۔ اور انھین کے قریب قریب **حدثیہ** فرقہ تھا جو لوگ فضل حدثی کے پیرو تھے۔ یہ دونون نظام کے شاگرد تھے اور فلسفہ کی کتابین پڑھ پڑھ کے روز نئی بدعتین ایجاد کرتے اور انوکھے مسائل نکالتے۔ مگر اُن کی خاص تین باتین قابل بیان ہین۔

پہلی۔ یہ کہ اُس نے نصرانیون کی پیروی مین حضرت مسیح کی ذات مین ایک الٰہی حکم تسلیم کرلیا۔ اور معتقد تھا کہ مسیح ہی ہین جو حشر کے دن بندون کا حساب و کتاب کرین گے۔ کہتا کہ قرآن مجید مین جو آیا ہے "وجاء ربک والملک صفا صفا" اُس مین رب سے مسیح مراد ہین۔ اس کے ساتھ یہی کہ وہ ابر کے سایے مین آئین گے۔ آیۂ کریمہ "او یاتی ربک" مین اسی طرف اشارہ ہے۔ اسی

طرح احادیث "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَۃِ الرَّحْمٰن" (بہ تحقیق اللہ نے آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا) اور "یَضَعُ الْجَبَّارُ قَدَمَہٗ فِی النَّارِ" (جبار (خدا) اپنا قدم دوزخ مین رکھے گا) مین "رحمٰن" اور "جبار" سے مراد مسیح ہین۔ اُس کا قول تھا کہ مسیح نے جسمانی جسد کا قالب پہن لیا۔ در اصل وہ کلمہ قدیمہ متحدہ تھے۔ اور یہی عقیدہ نصاریٰ کا ہے۔

دوسری وہ تمام معتزلہ سے قدم آگے بڑھا کے مسئلہ تناسخ کا بھی قائل ہو گیا۔ کہتا تھا کہ "خدا نے جملہ مخلوق کو عاقل و بالغ صحیح و سالم اس دنیا کے سوا ایک دوسرے عالم مین پیدا کیا۔ پھر اُن مین علم اور اپنی معرفت کو پیدا کر دیا۔ اور اپنی نعمتین اُن کو عطا کین۔ یہ جائز نہین ہے کہ باری تعالےٰ پہلے پہل جسے پیدا کرے وہ عاقل ناظر اور عبرت پذیر نہ ہو۔ اُنھین پیدا کرنے کے بعد سب کو اپنا شکر ادا کرنے کا مکلف کیا۔ بعض نے اطاعت کی اور اُس کے حکمون پر عمل کیا۔ بعض نے نافرمانی کی۔ اور بعض نے بعضے احکام مانے اور بعضے نہین مانے جنھون نے سب احکام پر عمل کیا اُنھین جنت مین رکھا۔ جنھون نے کُل حکمون کی نافرمانی کی اُنھین اُس اصلی عالم نعمت سے نکال کے دوزخ مین پھینک دیا۔ اور جنھون نے بعضے حکم مانے اور بعضے نہین مانے اُنھین اس دنیا مین بھیجا۔ اُن کو یہ کثیف جسم پہنائے۔ اور مختلف صورتون سے خوف و ضرر۔ شدت و سہولت اور آلام و لذات

مین مبتلا کیا۔ اُن کو اُن کے گناہون کے مناسب آدمیون اور جانورون کی صورتین دین۔ چنانچہ وہ اپنے گناہون کے مطابق دنیا مین صورتین بدلتے رہین گے" بعد کو چند اور ائمہ معتزلہ بھی اس خیال مین اُن کے ہم زبان ہو گئے۔ اور بعضون نے اس پر یہ اور اضافہ کیا کہ جن کی بہائم کی صورتین ہون یا جنھین نبوت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہو اُن پر سے اُن دونون حالتون مین شرع کی تکلیفین اُٹھ جاتی ہین"

حائطیہ اور حدثیہ کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ آخرت مین پانچ عالم ہین۔ دو ثواب کے اُن مین سے ایک جس مین کھانا پینا مقاربت وصحبت۔ باغ اور نہرین۔ کل جسمانی لذات ہین۔ دوسرا جس مین صرف روحانی لذتین اور غیر جسمانی نعمت ہین۔ تیسرا محض عذاب وعقاب کا عالم ہے اس سے جہنم مراد ہے۔ اس مین کوئی ترتیب اور درجہ بندی نہین بلکہ سب کی حالت یکسان ہے۔ چوتھا وہ پہلا عالم نعمت ہے جس مین خداے تعالےٰ نے تمام مخلوقات کو اس عالم دنیوی مین آنے سے پہلے پیدا کیا تھا۔ اور یہ پہلی جنت ہے۔ پانچوان وہ مقام اور عالم ہے جس مین خدا نے پہلے پہل سب کو مکلف کیا۔

تیسری۔ رویت باری سے انکار۔ اس بارے مین جتنی آیتین اور حدیثین وارد ہوئی ہین اُن کے متعلق اُس کا خیال تھا کہ سب مین عقل اوّل فعّال کا دیکھا جانا مراد ہے جو مخلوق کو صورتین

عطا کرتی ہے۔ آنحضرت صلعم نے جو فرمایا ہے کہ "اوّلُ مَا خَلَقَ اللہُ العَقلُ فَقَالَ لَہٗ اَقْبِل فَاَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ لَہٗ اَدْبِر فَاَدْبَرَ فَقَالَ وَعِزَّتِی وَجَلَالِی مَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَحْسَنَ مِنْکَ بِکَ اُعِزُّ وَبِکَ اُذِلُّ وَبِکَ اُعْطِی وَبِکَ اَمْنَعُ۔ (اللہ نے پہلے جو چیز پیدا کی عقل ہے۔ تخلیق کے بعد اُس سے کہا اِدھر پھر وہ اِدھر پھری۔ پھر کہا اُدھر مڑ وہ اُدھر مڑ گئی تب فرمایا۔ اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ مین نے تجھ سے اچھی کوئی چیز نہین پیدا کی۔ تجھی سے مین عزت دون گا۔ اور تجھی سے ذلت۔ تجھی سے دون گا اور تجھی سے (روزی کو) روکون گا۔) اس سے وہی عقل اوّل فعّال مراد ہے جو قیامت کے روز نمایان ہوگی سامنے سے پردے اُٹھ جائین گے۔ اور وہ چودھوین رات کے چاند کی طرح آنکھون کے سامنے ہو جائے گی۔ خود باری تعالے ہرگز نہین دیکھا جا سکتا۔

بشریہ۔ بشر بن مُعتمر کے پیرو۔ یہ معتزلہ کے بڑے فاضل علما مین سے تھا۔ اور مسئلۂ "تولد" کا یہی پہلا بانی ہے جس مین وہ حد سے گزر گیا۔ اس مسئلہ اور چند اور مسائل مین وہ دیگر معتزلہ سے منفرد ہے جو حسب ذیل ہین۔

پہلا۔ اُس کا تولد کا مسئلہ وہ یہ تھا کہ اُس کے خیال مین رنگ۔ مزہ۔ بُو اور تمام ادراکات محض سننے سے پیدا ہوتے ہین۔ اور دیکھنے کی نسبت کہتا کہ ممکن ہے یہ قوت ادراکیہ کسی غیر پہ عمل کرنے سے پیدا ہو جاتی ہو۔

دوسرا۔ استطاعت اُس کی تحقیق مین سلامتی اعضا صحت جوارح۔ اور اُن کے آفات سے محفوظ رہنے سے استطاعت پیدا ہوتی ہے۔

تیسرا اُس کا دعوی تھا کہ اللہ جل شانہ معصوم بچے پر ظلم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ مگر وہ ایسا کرتا نہین۔ گو کہ ایسا ہے مگر یہ اچھا نہین کہ کہا جائے وہ ظلم کر سکتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ خدا کسی معصوم بچے پر ظلم کرے تو دراصل وہ بچہ نابالغ نہین۔ بلکہ عاقل و بالغ ہوگا۔ اُس نے گناہ کیا۔ اور مستحق عذاب ہو گیا۔

چوتھا۔ اُس کا یہ قول بھی سُنا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ کا ارادہ بھی اُس کے افعال مین سے ایک فعل ہے دو صورتون پر یا تو یون کہ وہ صفت ذات ہے۔ یا یون کہ صفت فعل ہے صفت ذات کی صورت یہ ہے کہ وہ جل شانہ ہمیشہ اپنے تمام افعال کا ارادہ کر رہا تھا۔ اور نیز اپنے بندون کی تمام عبادتون کا۔ اس لئے کہ وہ حکیم ہے اور یہ جائز نہین کہ کوئی حکیم بھلائی اور نیکی کا علم رکھے اور اُس کا ارادہ نہ کرے۔ اور صفت فعل یون کہ اُس نے پیدا کرتے وقت اپنے فعل نفس کا ارادہ کیا۔ لہذا وہ ارادہ بھی مخلوق اور قابل تخلیق ہے۔

پانچوان وہ کہتا ہے خدا کے پاس ایک لُطف ہے۔ اگر اُسے کام مین لائے تو تمام ساکنین ارض ایمان لا کر مستحق ثواب

ہو جائین۔ مگر خدا پر واجب نہین ہے کہ بندون کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ کیونکہ اُس کے لیے لازم نہین ہے کہ ہر امر مین اصلح یعنی بہترین صورت کو اختیار کرے۔ اصلح ایک اضافی شے ہے۔ اور کوئی ایسا اصلح نہین جس سے کوئی اصلح تر موجود نہ ہو۔ خدا کے لیے صرف اتنا واجب و لازم ہے کہ بندون کو قدرت و استطاعت دے۔ اور اس کے ساتھ دعوت۔ ہدایت۔ رسالت اور فکر و غور کے ایسے وجوہ و اسباب بصیرت پیدا کر دے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے افعال مین فاعل مختار ہو گیا۔ تو دو خاطرون یعنی دونون نفسون کی کشاکش سے مصئون و مامون ہو گیا۔ اور یہ دونون نفس خدا کی طرف سے نہین بلکہ شیطان کی طرف سے ہین۔ کہتا ہے فکر و خوض کرنے والے کے پاس اُس کے فکر کرنے سے پیشتر شیطان آکر اُس کے دل مین شکوک و شبہات نہین پیدا کرتا۔ اور اگر شیطان کا فکر سے پہلے آنا تسلیم کیا جائے تو اس بارے مین پھر وہی تقریر ہو گی کہ اسباب بصیرت اُس کے پیشتر پیدا ہو چکے تھے۔

چھٹا یہ کہ جو کوئی گناہ کبیرہ مین مبتلا ہونے اور اُس سے توبہ کرنے کے بعد پھر اُس کا مرتکب ہو تو اُس کا پہلا استحقاق عذاب عود کر آتا ہے۔ اگرچہ توبہ سے پہلے اُس عذاب کے متعلق شرط تھی کہ عود نہ کرے گا۔

معمریہ معمر بن عباد سلمی کے پیرو۔ یہ سب سے بڑا قدری العقیدہ شخص تھا صفات الٰہی اور خیر و شر کے منجانب اللہ ہونے

ہین وہ اس درجہ سخت اور رشتہ و تھا کہ اُس کے خلاف عقیدہ رکھنے والون کو کافر و گمراہ بتاتا۔ اور چند خاص مسائل مین دیگر معتزلیون سے متفرد ہے۔

پہلا۔ کہتا ہے کہ خداے تعالیٰ نے بجز اجسام کے کسی چیز کو نہین پیدا کیا۔ اعراض اجسام کے اختراع وایجاد کیے ہو ہین۔ یا بالطبع پیدا ہوگئے ہین۔ جیسے آگ سے جلانا۔ آفتاب سے گرمی وغیرہ۔ یا اختیاری طور پہ پیدا ہوے ہین جیسے کہ حیوان حرکت وسکون اور اجتماع وافتراق کو پیدا کرتا ہے حیرت کی یہ بات ہے کہ اُس کے خیال مین جسم کا پیدا ہونا اور فنا ہونا بھی عرض ہین۔ اور جب وہ کہتا ہے کہ خدا نے عرض کو نہین پیدا کیا تو سمجھنا چاہیے کہ اُس کے خیال مین جسم کا پیدا اور فنا ہونا بھی خداے تعالیٰ کے کام نہین ہین۔ اس عقیدے کا انجام یہ ہے کہ خداے تعالےٰ کا کوئی فعل باقی ہی نہین رہتا۔ اور مسلمانون کا خدا یونانیون کا خداے معطل بن جاتا ہے۔

دوسرا۔ یہ کہ اعراض ہر نوع مین غیر متناہی ہین۔ پھر اس کے ساتھ اُس نے دعویٰ کیا کہ "ہر عرض کسی محل مین قائم ہے اور اُن کا قیام ایسے معانی سے مراد ہے جو اُس قیام کو واجب کر دیتے ہین"۔

تیسرا۔ یہ قول بھی اُس کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔

کہ "خدائے تعالٰی کا ارادہ غیر اللہ ہے۔ اور وہ اُس کے کسی چیز کو پیدا کرنے یا اُس کے امر و نہی و اخبار کے بھی علاوہ ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارادۂ باری تعالٰی ایک مجہول و نامعلوم الاصل چیز رہ گیا۔ اُس کا یہ بھی قول ہے کہ "انسان کے لیے بجز ارادے کے اور کوئی فعل نہیں ہے۔ وہ ارادہ عام اس سے کہ تعمیلاً ہو یا تولیداً۔ یعنی چاہے اُس کا فعل ہو۔ یا اُس کی ایجاد۔ اور قیام و قعود اور حرکت و سکون میں سے جو خیر و شر کے متعلق ہوں اُس کے تکلیفی افعال ہیں یعنی وہ کام جن سے وہ مکلّف ہوتا ہے۔ یہ افعال اس کی جانب نہ بطریق عمل منسوب کیے جاتے ہیں۔ نہ بطریق تولید اُس کے مسلک میں انسان ایک معنی یا جوہر ہے غیر جسد۔ وہ عالم قادر مختار اور حکیم ہے۔ نہ متحرک ہے۔ نہ ساکن۔ نہ متکوّن ہے۔ نہ متمکن۔ نہ دیکھا جاتا ہے نہ چھوا جاتا ہے۔ اور نہ محسوس ہوتا ہے۔ اور نہ وہ کسی زمانے میں محصور ہے۔ لیکن وہ مدبّر جسد ہے۔ اور بدن سے اُس کو صرف تدبیر و تصرف کا علاقہ ہے۔

چوتھا۔ یہ امر بھی اُس کی جانب منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ جل شانہٗ کے قدیم ہونے سے بھی منکر تھا۔ اس لیے کہ لفظ قدیم "قدم" سے ماخوذ ہے جو ایک فعل ہے۔ اور ذات باری اس سے منزہ ہے کہ کسی اور چیز سے ماخوذ ہو۔ اور اسی کی بنا پر اُس نے دعوی کیا کہ باری تعالٰی کا وجود زمانی نہیں ہے۔" اسی سلسلے میں

اس نے کہا کہ "خلق غیر مخلوق ہے اور احداث غیر محدث ہین"
جعفر بن حرب نے اُس کا یہ دعوی بھی بیان کیا ہے کہ "محال ہے اللہ تعالے خود اپنی ذات کا علم رکھتا ہو۔ یعنی اپنے کو جانے۔ کیونکہ اگر جانے تو عالم و معلوم ایک ہو جائین گے" پھر کہتا ہے "اسی بنا پر یہ بھی محال ہے کہ خدا ے تعالےٰ کو اپنے غیر کا علم ہو۔ اور یہ بھی محال ہے کہ من حیث اپنے موجود ہونے کے اُسے موجودات پر قدرت حاصل ہو"

اِن خیالات سے صاف نظر آتا ہے کہ فلسفہ یونان کے چکر مین پڑ کے معتزلہ کہان سے کہان پہونچ گئے تھے۔ اور ناقص عقل کی تقلید مین جس کو وہ حماقت سے شرع پر حاوی سمجھ گئے تھے اُن سے کیسی بے عقلی اور جہالت کی باتین سرزد ہونے لگین۔

مُزداریہ۔ عیسی بن صُبیح مکنّی بہ ابو موسی اور ملقب بہ مُزدار کے پیرو۔ یہ شخص بشر بن معمر کا شاگرد اور معتزلہ مین بڑا عابد و زاہد تھا جس کے باعث "راہب معتزلہ" کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ چند امور مین وہ بھی دیگر معتزلہ سے متفرد ہے۔

پہلا۔ کہتا تھا کہ اللہ تعالے کو اِس کی قدرت ہے کہ جھُوٹ بولے یا ظلم کرے۔ لیکن اگر ایسا کرے تو وہ معاذ اللہ جھوٹا اور ظالم خدا ہو گا۔

دوسرا۔ اس کا قول تولّد یعنی افعال کو خود بندون کے

پیدا کرنے کے بارے مین اپنے اُستاد بشر کے مثل ہے۔ مگر اتنی زیادتی کے ساتھ کہ کہتا ہے "تولد کے اصول کے مطابق ممکن ہے کہ دو فاعلون سے ایک فعل پیدا ہو"

تیسرا۔ قرآن مجید کے بارے مین کہتا ہے "انسان کو قدرت ہے کہ قرآن کا ایسا کلام تصنیف کر دے۔ جو بہ لحاظ فصاحت اور باعتبار ترتیب و بلاغت کے ویسا ہی ہو جیسا کہ ہمارا قرآن ہے" یہ شخص مسئلۂ خلق قرآن مین بڑا متشدد تھا۔ اور جو لوگ کلام الٰہی کو قدیم بتاتے اُنھین کافر بتاتا۔ اُس نے دو قدیم ثابت کیے۔ اور کہا جو شخص سلطان زمانہ کے مشابہ بننا چاہے کافر ہے۔ نیز بادشاہ کی نسبت کہا "وہ نہ وارث ہوتا ہے نہ مورث" اُس کا دعویٰ تھا کہ جو لوگ بندون کے افعال کو خدا کا مخلوق بتائین یا کہین کہ باری تعالےٰ آنکھون سے دیکھا جا سکتا ہے وہ سب کافر ہین۔ اُس کو تکفیر مین نہایت غلو تھا۔ یہان تک کہ کہنے لگا لا الٰہ الا اللہ کہنے مین بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے" ابراہیم سندی نے پوچھا "دنیا کے لوگ کیسے ہین" کہا سب کافر ہین" ابراہیم نے یہ جواب سُن کر کہا "تو جنت مین جس کا عرض آسمانون اور زمینون کے برابر ہے۔ اکیلے آپ جائین گے یا آپ کے تین ہمخیال" اس کا اُس نے کچھ جواب نہین دیا۔

ثمامیہ ثمامہ ابن اشرس نمیری کے پیرو۔ اُس کو یقین تھا کہ جو فاسق بغیر توبہ کیے مر جائے وہ ہمیشہ دوزخ مین رہے گا۔

اور زمانۂ زندگی دنیوی کے اندر وہ نہ کفر مین ہے نہ اسلام مین بلکہ دونون کے درمیان ایک تیسرے درجے مین ہے۔ یہ بھی چند مسائل مین متفرد ہے۔

پہلا۔ یہ کہ افعال متولدہ کا کوئی فاعل نہین ہے۔ اور اُنھین فاعل اسباب کی طرف بھی منسوب نہین کر سکتے۔ کیونکہ اس مین لازم آئے گا کہ کبھی بعض افعال کو کسی فنا شدہ فاعل کی طرف منسوب کرین۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سبب کا اصلی بانی ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور پیدا شدہ چیز باقی رہتی ہے۔ اور ان افعال کو باری تعالے کی طرف بھی منسوب نہین کر سکتے۔ اس لیے کہ اس صورت مین بُرے کام بھی اُس وحدہٗ لاشریک کی جانب منسوب کیے جائین گے۔ اسی کشمکش مین پڑ کر اُس نے گھبرا کے کہہ دیا کہ "افعال دہ متولدات ہین جن کا کوئی فاعل نہین"

دوسرا۔ اُس کا دعوی تھا کہ کفار مشرکین ہون یا مجوس، یہود ہون یا نصارا، زندیق ہون یا دہریے۔ قیامت کے دن عموماً سب خاک ہو جائین گے۔ اور یہی حال مومنین کے بچّون اور بہائم وطیور کا ہوگا۔

تیسرا۔ استطاعت کے مسئلہ مین وہ کہتا ہے کہ قادر ہونا سلامتی نفس اور صحت اعضا کا نام ہے۔ اور اس کا کہ تمام اعضا ہر قسم کی آفتون سے محفوظ ہون۔ اور یہ چیز فعل سے پہلے ہوا کرتی ہے۔

چوتھا۔ یہ کہ معرفت غور و خوض اور فکر سے پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ ایک ایسا فعل ہے جس کا تمام پیدا ہونے والے افعال کی طرح کوئی فاعل نہین ہے۔

پانچوان۔ اُس کا دعوی ہے کہ تحسین و تقبیح یعنی کسی چیز کو اچھا یا بُرا سمجھنا دونون عقل سے ہین۔ اور معرفت وُرودِ نص یعنی قرآن الٰہی و حکم رسالت پناہی سے پہلے انسان پر واجب ہے جیسا کہ دوسرے ائمہ معتزلہ کہتے ہین۔ مگر وہ اس مین اتنی ترقی کرتا ہے کہ "کفار مین سے بعض اپنے خالق کو نہین پہچانتے اور معذور ہین ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ تمام معرفتین بدیہی ہین۔ اور جو خدا کی معرفت پر مجبور نہ ہو جائے وہ جانورون کی طرح بندون کا مسخّر ہے۔

چھٹا۔ کہتا ہے انسان کا بجز ارادے کے کوئی فعل نہین ہے۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہے وہ ایک حادث ہے جس کا کوئی مُحدِث نہین۔

ہشامیہ۔ یہ لوگ ہشام بن عمرو فوطی کے پیرو تھے جو قدر یعنی انسان کے فاعل مختار ہونے کے مسئلہ مین تمام ائمہ معتزلہ سے زیادہ سخت تھا۔ اور کسی فعل کے باری تعالےٰ کی جانب منسوب کرنے کے نہایت مخالف تھا۔ اصولی مسائل مین اُس کے خاص اجتہادات یہ ہین۔

اول۔ کہتا کہ مومنون کے دلون مین اتحاد کو اللہ جل شانہٗ

نہین پیدا کرتا۔ حالانکہ قرآن مجید مین صریح موجود ہے "مَآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ" (تو نے مومنون کے دلون کو نہین متحد کیا بلکہ اللہ نے کیا)

دوم - یہ کہ ایمان کو مومنون کے دلون مین اللہ محبوب نہین بناتا۔ اور نہ اُن کے دلون مین اس کو رونق دیتا ہے۔ حالانکہ کلام اللہ مین صاف موجود ہے کہ "حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ" (اس نے ایمان کو تمھارا محبوب بنایا۔ اور تمھارے دلون مین اُسے بارونق کیا) اسی طرح وہ اس کے بھی خلاف تھا کہ طبع کرنے (چھاپنے) اور مہر کرنے کے افعال کو خدا کی جانب منسوب کیا جائے گو کہ قرآن پاک مین صاف طور پہ اس کے خلاف موجود ہے۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ" طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ" (اللہ نے اُن کے دلون اور کانون پہ مہر کر دی) اور (اللہ نے اُن کے کفر کو اُن کے دلون پہ چھاپ دیا) مگر اُس کے عقیدے مین ایسی تمام آیتون مین تاویل کرنا واجب ہے۔

وہ یہ بھی - کہتا تھا کہ خدا کے خالق ہونے کا ثبوت اعراض سے نہین نکلتا صرف اجسام سے نکلتا ہے۔

امامت وخلافت کے بارے مین اُس کا مذہب تھا کہ اُس کا انعقاد فتنہ و فساد کے زمانے مین نہین ہو سکتا۔ صرف اتفاق اور امن وامان کے زمانے مین خلیفہ کا انتخاب ہونا چاہیے

اور اس مسلک مین وہ یہان تک متشدد تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کیا کرتا۔ کیونکہ آپ کی بیعت یوم الدار یعنی حضرت عثمان کی شہادت کے فتنے کے وقت ہوئی تھی۔

اُس کے بدعات یہ بھی ہین۔ کہتا تھا جنت و نار ابھی پیدا نہین ہوئی ہین۔ آیندہ پیدا ہون گی۔ کیونکہ ابھی سے اُن کے پیدا کردینے کا کوئی نتیجہ نہین۔ اور کہتا یہ کہنا بھی صحیح نہین ہے کہ کافر کو خدا نے پیدا کیا۔ کیونکہ کافر سے مراد انسان مع کفر کے ہے۔ اور کفر کو خدا نہین پیدا کر سکتا۔

اس شخص کو اپنے مذہب مین اس قدر غلو تھا کہ اپنے تمام مخالفون کو کافر کہتا۔ اور اُن کے قتل و غارت کو حلال سمجھتا تھا۔

جاحظیہ عمرو بن بحر جاحظ کے تبعین۔ یہ شخص بھی معتزلہ کا ایک بڑا عالم و فاضل تھا۔ اور اُن کے مذہب کا بڑا مصنف ہے۔ اُس نے بہت سی فلسفہ کی کتابین پڑھین۔ اور چونکہ ادیب کامل تھا۔ لہذا اپنے عقائد و مسائل کو فصیح و بلیغ عبارت مین شائع کرتا۔ معتصم باللہ اور متوکل علی اللہ کے زمانون مین تھا۔ بعض اصولی مسائل مین وہ بھی متفرد ہے۔

کہتا ہے سارے معلومات انسانی بداہۃً طبعی ہین۔ اور اُن مین سے کوئی نہین جو بندون کا فعل ہو۔ اور بجز ارادے کے بندون کو کوئی کسب بھی نہین حاصل ہے۔ اُسی ارادے سے

بندون کے افعال طبعی طور پر سرزد ہو جاتے ہین۔
اُس نے اجسام مین طبیعتین ثابت کی ہین۔ **کہتا ہی**
جوہرون کا عدم محال ہے۔ تغیر و تبدل صرف عرضون مین ہوتا ہے۔
اور **کہتا ہے** کہ دوزخ والون پر ہمیشہ عذاب نہ رہے گا۔ بلکہ
اُن کی طبیعتین ہی ناری ہو جائین گی۔ اور حرارت کے عذاب کو نہ
محسوس کر سکین گی۔
نفی صفات مین اُس کا مذہب فلسفیون کا ہے۔ **خیر و شر**
کو بندون کی طرف منسوب کرتا یعنی قدر کا قائل تھا۔ **کہتا** سارے
ذی عقل مخلوق جانتے ہین کہ اللہ اُن کا خالق ہے۔ اور یہ بھی جانتے
ہین کہ اُنھین نبی کی حاجت ہے۔ مگر باوجود اس معرفت کے مجبوب
ہین۔ اُن مین دو قسم کے ہین۔ ایک وہ جو توحید کو جانتے ہین۔ اور
دوسرے وہ جو اُس کو نہین جانتے۔ نہ جاننے والے معذور ہین اور
جاننے والون کے لیے حُجت موجود ہے۔ لہذا جو مسلمان یہ عقیدہ
رکھے کہ اللہ جل شانہ نہ مجسم ہے۔ نہ متشکل ہے۔ آنکھون سے نہین دیکھا
جا سکتا ہے۔ عادل ہے ظلم نہین کرتا۔ اور نہ گناہون کا ارادہ کرتا ہے
اور اعتقاد و یقین سے اِن باتون کا اقرار کرتا ہو وہ سچا مسلمان ہے۔
اور اگر ان سب امور کو جانے مگر ماننے سے انکار کرے۔ یا تشبیہ و
جبر کا قائل ہو وہ پکا کافر ہے۔ اور اگر اِن امور پر غور ہی نہ کرے
مگر اِس کا معتقد ہو کہ خدا اُس کا خالق ہے۔ اور محمد صلعم خدا کے

رسول ہین اُس کے لیے کوئی ملامت والزام نہین۔ اور اس کے سوا وہ اور کسی بات کا مکلف نہین ہے۔

قرآن مجید کی نسبت اُس کا قول تھا کہ وہ ایک جسد ہے۔ اور ممکن ہے کہ کبھی وہ انسانی اور کبھی حیوانی شکل مین نمایان ہو۔

خیّاطیہ۔ ابوالحسن خیاط کے پیرو۔ یہ بھی بغداد کا ایک معتزلی عالم تھا۔ معدوم کو ایک ہستی ثابت کرنے مین اِس شخص کو بڑا غلو تھا۔ ہر چیز اور ہر جوہر و عرض کو عالم عدم مین موجود بتاتا ہے۔

جبائیہ اور ہشمیہ۔ پہلا گروہ علی بن محمد بن عبدالوہاب جبائی کی طرف منسوب ہے۔ اور دوسرا اُس کے بیٹے ہاشم عبدالسلام کی طرف۔ دونون مصر کے معتزلی تھے۔ بعض مسائل مین دونون عام معتزلہ کے خلاف ہین۔ اور بعض مین باہم مخالف ہین۔ جن مسائل مین وہ دیگر معتزلہ کے خلاف ہین یہ ہین۔

اول اُنھون نے ایسے حادث ارادے ثابت کیے ہین جن کا قیام کسی محل مین نہین۔ باری تعالے تخلیق کا ارادہ کرنے مین اُنھین حادث ارادون سے متصف ہے بغیر اس کے کہ وہ کسی محل مین ہون۔ اسی طرح وہ جل شانہ عالم کے فنا کرنے مین بھی اُنھین حادث ارادون سے متصف ہے۔ اور وہ بھی کسی محل مین نہین ہین۔ اور ان صفتون مین مین سے جو زیادہ خصوصیت و اہمیت رکھتی ہین وہ اللہ جل شانہ

کیطرف اس لیے منسوب ہین کہ وہ بھی کسی محل مین نہین ہے۔ اُس نے ایسے موجودات بھی ثابت کیے جو سب عرض ہین یا عرض کے حکم مین ہین مگر کسی محل مین نہین۔ اسی طرح ایسے جوہر بتاتے ہین جو جوہر ہین یا جوہر کے حکم مین ہین اور کسی محل مین نہین یہ مسلک فلسفیون سے ماخوذ ہے جو عقل کو ایسا جوہر بتاتے ہین جو کسی محل مین نہ ہو۔ اور نفس کلّی وغیرہ کو بھی ایسے عرض کہتے ہین جو کسی محل مین نہین ہین۔

دوسرا یہ کہ اللہ تعالےٰ ایک ایسے کلام سے متکلم ہے جس کو وہ کسی محل مین پیدا کر دیتا ہے۔ کلام کی حقیقت اُن کے نزدیک منقطع آوازین اور مرتب حروف ہین۔ اور متکلم وہ ہے جو کلام کو کرے نہ وہ جس مین کلام قائم ہو۔ جبّائی سب کے خلاف اس بات کا قائل ہے کہ جس وقت کوئی قاری تلاوت کرتا ہے خداوند تعالےٰ اُس وقت اپنے نفس کے کلام کو پیدا کر دیتا ہے۔

تیسرا۔ اُس عالم مین خدا کا دیدار ہونے کے دونون منکر ہین۔

چوتھا۔ اس مسئلہ مین بھی دونون باپ بیٹے متفق ہین کہ منعم کے شکر کی معرفت۔ اور بُرائی بھلائی کی معرفت دونون عقلی واجبات ہین یعنی عقلاً اُن کا جاننا انسان پر واجب ہے۔ اس مین اُنھون نے ایک شریعت عقلیہ ثابت کی ہے۔ اور شریعت نبویہ کو اُن اُمور تک جو مقدّر ہون اور اُن عبادتون تک جو خاص اوقات کے لیے مخصوص

ہوں محدود کر دیا ہے۔ اس لیے کہ اُن کی مصلحت تک عقل انسانی نہیں پہونچ سکتی۔

پانچواں کہتے ہیں حکمت وعقل کے تقاضے سے ہر حکیم پہ واجب ہے کہ عبادت کرنے والے کو ثواب دے۔ اور گنہگار پر عذاب کرے۔ اور چونکہ خدا حکیم ہے لہذا اُس پہ واجب ہے۔ مگر عذاب کا ایک محدود زمانے کے لیے ہونا یا دائمی ہونا شرع نبوی سے معلوم ہوتا ہے۔

چھٹا۔ ایمان ان دونوں کی اصطلاح میں ایک مدحیہ نام ہے۔ اُس شخص کے لیے جس میں اچھی خصلتیں مرتکز و راسخ ہو جائیں جس کی یہ شان ہو وہ مومن ہے۔ جو گناہ کبیرہ کرے اُسی وقت مومن سے فاسق ہو جاتا ہے۔ نہ مومن رہتا ہے۔ نہ کافر بنتا ہے۔ اور اگر وہ بے توبہ کیے مر جائے تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

اسی طرح کے اور بہت سے مسائل ہیں جن کے تکمیل کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو ایک بڑی مجلد کتاب بھی شاید مشکل سے کافی ہو سکے گی۔ امامت و خلافت کے مسئلہ میں دونوں باپ بیٹے اہل سنت کے ہم عقیدہ تھے یعنی کہتے کہ خلیفہ کے منتخب کرنے کا اُمت کو اختیار ہے۔ اور خلفائے راشدین کو حسب ترتیب خلافت ایک دوسرے سے افضل مانتے تھے۔ مگر صحابہ یا اولیاء اللہ سے کسی کرامت کے ظاہر ہونے کے کلیۃً مخالف تھے۔ اور انبیاء کے معصوم سمجھنے میں بھی اُنھیں حد سے زیادہ غلو تھا۔

کہتے کہ اُن سے صغیرہ اور کبیرہ کسی قسم کا گناہ نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ جبائی کہتا ہے "پیغمبروں سے یہ بھی محال ہے کہ کسی ادنے گناہ کا ارادہ بھی کریں"

معتزلہ کے اور فرقے بھی ہیں مگر ہم اُن کے بیان سے قلم روک کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اُن کے مقابل اہل حدیث اور ائمہ سلف کے کیا عقائد اور کیا خیالات تھے۔

اہل حدیث وسنّت کہتے کہ اللہ جل شانہ میں علم۔ قدرت۔ ارادے۔ حیات۔ سننے۔ دیکھنے۔ کلام کرنے۔ جلال۔ اکرام۔ جود۔ انعام۔ عزت۔ اور عظمت کی ازلی صفتیں موجود ہیں۔ وہ صفات ذات۔ اور صفات فعل کی بھی تفریق نہیں کرتے۔ ان کے ماسوا وہ ذات باری میں اُن صفتوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں جو قرآن وحدیث میں بتائی گئی ہیں مثلاً ہاتھ۔ چہرہ۔ اور کھڑا ہونا۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ ہم ان سب صفتوں کے ماننے پر مکلف ہیں۔ اور ہم پر فرض نہیں کہ اُن کی کچھ تفسیر کریں۔ اس لیے کہ ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ گر چہ کہ خود خدائے تعالے نے فرمایا ہے کہ "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ"، (یعنی اس کے (خدا کے) مثل کوئی شی نہیں) لہذا ہمارا اعتقاد ہے کہ اس قسم کی جتنی چیزیں خدا نے اپنی جانب منسوب کی ہیں وہ ویسی نہیں جیسی کہ انسان کے ہاتھ چہرے اور قیام وغیرہ کو دیکھ کر ہم نے اپنے خیال میں سمجھ رکھی ہیں۔

چنانچہ امام مالک نے جب کہ فلسفیانہ اوہام و شکوک کی بنیاد پڑنا شروع ہو گئی تھی اِن فلسفی و منطقی مباحث کو سُن کر فرمایا۔ "استواء (خدا کا عرش پر کھڑا ہونا) معلوم ہے۔ اُس کی حالت و کیفیت مجہول ہے۔ اُس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اس بارے مین سوال کرنا بدعت ہے۔" حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام مالک سے پیشتر فقہ اکبر مین صاف تحریر فرما دیا کہ "اُس کے (خدا کے) ہاتھ کے بارے مین یہ نہ کہا جائے کہ ہاتھ سے مراد قوت ہے۔ بلکہ اُس کے ہاتھ سے مراد ہاتھ ہے۔"

مگر عوام جو فلسفیانہ تعلیم اور معتزلہ کے مباحث اور مناظرون سے مغلوب ہو گئے تھے اور روز بروز ہوتے جاتے تھے اُن پر متکلمین کا جادو چلتا جاتا تھا۔ یہان تک کہ خلافت عباسیہ اُن کی طرفدار ہو گئی۔ اور اہل حدیث کو حدیث کی تعلیم دینا اور اپنے عقائد کا ظاہر کرنا دشوار ہو گیا۔

دوسرے عباسی خلیفہ **ابو جعفر منصور** کے عہد سے فلسفہ کی کتابین یونانی زبان سے عربی مین ترجمہ ہونے لگین۔ اور اُن کا اثر عرب کے دینی لٹریچر پر پڑنا شروع ہو گیا۔ مگر خود منصور کو بنی فاطمہ کے مقابل اپنی امامت کا دعوی ثابت کرنے اور اُن سے لڑنے جھگڑنے مین اتنی فرصت نہ ملی کہ اِن فلسفی بحثون کی طرف توجہ کرے۔ خلیفہ **مہدی** نے فلسفہ کے اثر سے الحاد اور بے دینی کو بڑھتے دیکھا

تو اُس کی روک تھام کی۔ اور ایسے خیالات رکھنے والوں سے سخت باز پُرس کرتا تھا۔ خلیفۂ ہادی کا مختصر زمانہ خاموشی اور بے پروائی مین گزر گیا۔ اور محدثین و فقہا کو یہ آزادی رہی۔ روایت حدیث کرنے اور اپنے دینی عقائد کے ساری دنیاے اسلام مین پھیلانے کا پورا موقع ملتا رہا۔ یہان تک کہ ہرون رشید کا زمانہ آیا جو اس خاندان کا سب سے زیادہ نامور و کامیاب خلیفہ ہے۔ اُس کے زمانے مین اگرچہ بیت الحکمت کا محکمہ ترجمۂ علوم قائم ہو گیا۔ اور علوم یونانی کی کتابون کے ترجمے ہونے کا ایک مستقل سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ مگر اُس کا ذاتی رُجحان اہل حدیث ہی کی طرف تھا۔ چنانچہ اپنے بیٹون امین اور مامون کو امام مالک کی خدمت مین درس و روایت حدیث کے لیے بھیجا تاہم فلسفیون کی صحبت نے اُس کا مذاق ایک حد تک حکیمانہ و فلسفیانہ کر دیا تھا۔

رشید کی وفات پر ۱۹۳ھ مین امین الرشید خلیفہ ہوا۔ وہ اگرچہ کھیل تماشے لہو لعب اور عیش و عشرت مین منہمک تھا۔ مگر عقائد مین کوئی فرق نہین آنے پایا تھا خلق قرآن کا مسئلہ اُس کی زندگی مین پیدا ہو گیا تھا۔ اور وہ اُس کو بُرا سمجھتا تھا۔ چنانچہ اسمٰعیل بن عُلیہ کو لوگ اُس کے سامنے لائے تو تعجب سے پوچھنے لگا "تو کہتا ہے کہ کلام اللہ مخلوق ہے!" اسی بنا پر امام احمد بن حنبل نے اُس کی نسبت فرمایا ہے "مجھے امید ہے کہ خدا اُس کے حال پہ رحم

کرسکا۔

امین کے مارے جانے کے بعد ۱۹۸ھ میں مامون رشید
پوری دنیائے اسلام کا خلیفہ ہوا تو کچھ تو اس لیے کہ اس کی صحبت میں
زیادہ تر آزاد خیال فلسفی رہا کرتے تھے اور کچھ اس سبب سے کہ
سادی عربی حکمرانی کا مذاق چھوڑ کے وہ ایران کی ساسانی شان و شوکت کا
دلدادہ ہو کر عربیت کے مرکز سے ہٹ گیا تھا۔ اور نیز اس سبب سے کہ
اُس وقت کے متکلمین اہل سنت میں سے کسی کو اُس کے دربار میں جانے
کی جرأت نہ ہوئی وہ پکا معتزلی ہو گیا۔ چونکہ فلسفۂ یونان اور دیگر مذاہب
الہیات کی قریب قریب تمام کتابیں ہارون اور مامون کے حکم سے
عربی میں ترجمہ ہوئیں لہذا صحیح معنوں میں کہا جا سکتا ہے کہ اعتزال
اور ملحدانہ و بیدینی کے اصلی بانی و مبانی یہی دونوں خلیفہ تھے۔ مگر
ہارون اس بارے میں ایسا خاموش تھا کہ اُسے کوئی الزام نہیں
دیا جا سکتا۔ ہاں مامون البتہ اس الحاد کے رنگ میں سر تا پا رنگ گیا۔
ہارون نے کسی سیاسی مصلحت سے سارے برامکہ کو قتل کرا ڈالا
تو اس کی کچھ توجیہ بھی کی جا سکتی ہے۔ مگر مامون نے جو بڑا صاحب عقل
و فراست اور بڑا عدالت گستر تھا جوش فلسفیت سے طیش میں آکر
اور بدعتی فرقہ معتزلہ کے فلسفیانہ الجھیڑیا میں مبتلا ہو کر اہل سنت اور
علمائے حدیث پر جو مظالم کیے وہ کسی طرح قابل معافی نہیں ہو سکتے۔
اُس نے اگرچہ حدیث و فقہ و ادب کی تعلیم زمانے کے بڑے

بڑے کامل ائمہ دین سے پائی تھی مگر فلسفہ کا اثر اس قدر غالب ہو گیا کہ ۲۱۲ھ مین قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہو گیا۔ جو معتزلہ کا اہم ترین عقیدہ تھا۔ اور ۲۱۸ھ مین اُس کو اس عقیدے مین اس قدر انہماک ہوا کہ علانیہ اُس کی تبلیغ و دعوت شروع کر دی۔

مملکت روم مین جہاد کو گیا ہوا تھا کہ وہین سفر مین معتزلی مصاحبون اور فلسفی علماے دربار کی صحبت کے اثر سے بیٹھے بیٹھے خدا جانے کیا جنون سر پہ سوار ہوا کہ ربیع الاول کے مہینے مین اپنے نائب اسحٰق بن ابراہیم کے نام بغداد مین حکم بھیجا کہ ”محدثین و علماے اہل سنت اور تمام قاضیون کو بلا کے پوچھو قرآن کو حادث (مخلوق) کہتے ہین یا قدیم۔ جو حادث کہے اُس کو چھوڑ دو۔ اور جو قدیم بتائے اُس کے جواب سے مجھے آگاہ کرو تاکہ ایسے عقیدہ والون کے بارے مین مناسب احکام جاری کیے جائین۔“ اس خط مین قرآن کے حادث و مخلوق ہونے کی فلسفیانہ دلیلین بھی لکھی تھین تاکہ وہ علماے وقت کے سامنے پیش کی جائین۔

اس حکم مین عام علما کے علاوہ سات بزرگون کی نسبت جن مین محمد بن سعد کاتب واقدی اور یحییٰ بن معین کے پایے کے ائمہ دین تھے خصوصیت کے ساتھ تاکید کی گئی تھی کہ یہ لوگ میرے سامنے لا کے پیش کیے جائین۔ یہ ائمہ دین اُس کے سامنے گئے تو اُس کے تیور دیکھ کے اُنھین جان کا خوف ہوا۔ اور سب نے تقیۃً

اقرار کر لیا کہ "قرآن مخلوق ہے"

یہ حضرات جان بر ہو کر بغداد میں واپس آئے تو اسحٰق بن ابراہیم نے اُنھیں اپنے گھر میں اُتارا۔ اور تمام علمائے دین کو اطلاع دی کہ "ان سات نامور محدثین نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کر لیا۔ اب تم کیا کہتے ہو؟" سب کو مجبوراً فرمان شاہی کے آگے سر جھکانا پڑا۔ اور اسحٰق نے سب کو چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ مذکورہ سات بزرگوں کی واپسی تک تمام علمائے بغداد حراست میں رکھے گئے تھے۔

اب اسحٰق کے پاس مامون کا دوسرا حکم پہونچا کہ "تمام فقیہوں محدثوں اور نامی عالموں کو اپنے سامنے بُلوا کے آزماؤ کہ عقیدۂ خلق قرآن میں کیا کہتے ہیں"۔ اُس نے تمام اہل علم کو پھر اپنے یہاں جمع کر کے مامون کا خط دوبارہ سنایا۔ پوچھا کہ "آپ لوگ قرآن کو مخلوق مانتے ہیں یا نہیں؟"

سب سے پہلے اُس نے بشر بن ولید کی طرف متوجہ ہو کے کہا "آپ قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟" کہا "میں اپنا عقیدہ دو مرتبہ امیر المومنین کے سامنے ظاہر کر چکا ہوں"۔ اسحٰق بولا "اس بار پھر سہی۔ وہ تجدید اقرار چاہتے ہیں"۔ بشر نے کہا "میں یہ کہتا ہوں کہ قرآن خدا کا کلام ہے"

اسحٰق "میں یہ نہیں پوچھتا۔ میرا سوال یہ ہے کہ وہ مخلوق ہے یا قدیم"

بشر: "خدا سب چیزون کا خالق ہے"
اسحق: "شی مین قرآن بھی داخل ہے؟"
بشر: "ہان ہے"
اسحق: "تو وہ بھی مخلوق ہے؟"
بشر: "وہ خالق نہین ہے"
اسحق: "اوہ! مین یہ نہین پوچھتا۔ بتائیے قرآن مخلوق ہے یا نہین؟"
بشر۔ (عاجز آکر) "مین نے جو کچھ کہا اُس سے زیادہ نہین جانتا۔ مین خود امیرالمومنین سے کہہ چکا ہون کہ اس بارے مین کچھ نہ کہون گا بجز اس کے میرے پاس اور کوئی جواب نہین ہے"

آخر اسحق نے اُن سے اُن کے عقائد دریافت کرکے اپنے کاتب سے اُن کی ایک مصدّقہ تحریر لکھوالی جس کا مضمون یہ تھا "مین اقرار کرتا ہون کہ خدائے واحد فرد کے سوا کوئی معبود نہین ہے۔ اُس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔ اور اُس کی ساری مخلوق مین سے کوئی شے کسی معنے و حیثیت سے اُس کے مشابہ نہین ہے"

اس کے بعد اسحق نے علی بن مقاتل کی طرف رُخ کرکے وہی سوال کیا۔ اُنھون نے بھی یہی کہا کہ مین اِس مسئلہ مین کئی بار اپنی راے امیرالمومنین کے سامنے ظاہر کرچکا ہون۔ اِس کے سوا اور کچھ نہین جانتا۔ اسحق نے بشر والے اقرار نامے پر اُن سے بھی تصدیق کرائی۔ اور کہا "مگر تو بتائیے کہ قرآن کے بارے مین آپ کیا کہتے

ہین ؟" کہا "قرآن خدا کا کلام ہے" اسحٰق نے کہا "مین یہ نہین پوچھتا" کہا "آپ جو پوچھین اور جتنی دفعہ پوچھین میرا جواب یہی ہو گا۔ لیکن ہان اِس کے بعد امیر المومنین کا جو حکم ہو گا اُس پہ ہم عمل کرین گے۔ اور اُن کے مطیع فرمان رہین گے"

اُن کا یہ جواب قلمبند کرا کے اسحٰق نے ذیال بن ہیثم کیطرف توجہ کی۔ اور اُنھون نے بھی وہی جواب دیا۔ تب اسحٰق نے ابو حسان زیادی کی طرف متوجہ ہو کر کہا "آپ کہیے" جواب دیا "جو پوچھنا ہو پوچھیے" اسحٰق نے وہی بشر والی تحریر سنائی۔ ابو حسان نے اُسکی تصدیق کی اور کہا "جس کا یہ اعتقاد نہ ہو وہ کافر ہے" اس کے بعد قرآن کے بارے مین سوال ہوا تو وہی کہا جو پہلے بزرگان دین کہہ چکے تھے کہ "قرآن خدا کا کلام ہے۔ اور اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ مگر امیر المومنین ہمارے امام ہین جن سے ہمین سارا علم حاصل ہوا ہے۔ اُن کو اور بھی بہت سی ایسی باتین پہونچی ہین جو ہمین نہین پہونچین۔ اور وہ بہت سی ایسی باتین جانتے ہین جنکو ہم نہین جانتے۔ خدا نے اُنھین ہمارا حاکم بنایا ہے۔ اُن کے دم سے حج اور نماز قائم ہین۔ اپنی زکوٰۃ کی رقم ہم اُنھین کو دیتے ہین۔ اُن کے جھنڈے کے نیچے جہاد کرتے ہین۔ اور اُن کی امامت کے معتقد ہین۔ لہذا وہ جو حکم دین گے اُس کو ہم بجا لائین گے۔ اور جس بات سے وہ منع کرین گے اُس سے باز رہین گے۔ کیا اُن کا حکم ہے

کہ قرآن کو مخلوق مانا جائے؟"

اسحٰق: "اُن کا حکم نہین بلکہ قول ہے۔ اور امیرالمومنین کے بہت سے قول ایسے ہین جو حکم نہین"

ابو حسان: "اگر فقط قول ہے تو ہمارے لیے واجب العمل نہین ہم تو قرآن کے مخلوق ہونے کا اُس وقت اقرار کرین گے۔ جب امیرالمومنین ہمین ایسا کہنے کا حکم دین گے"

اسحٰق: "مجھے اُنھون نے اِس مسئلہ کی تبلیغ کا حکم نہین دیا ہے فقط اتنا حکم ہے کہ آپ لوگون کو بُلا کے اِس بارے مین آپ کا قول دریافت کردون"

اب اُس نے امام احمد بن حنبل کی طرف رُخ کیا۔ اور پوچھا "آپ قرآن کے بارے مین کیا کہتے ہین؟"

امام: "وہ خدا کا کلام ہے"

سوال: "وہ مخلوق ہے؟"

جواب: "مین اِس سے زیادہ نہین کہہ سکتا"

اسحٰق نے وہ تحریر پیش کی۔ اور پوچھا اِس پر آپ کا اعتقاد ہے؟" امام نے اُس کو پڑھا۔ اور آخر مین جملہ "اُس کے مثل کوئی شئی نہین ہے" کے بعد اتنا اور بڑھا دیا کہ "وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ" یعنی خدا سُنتا اور دیکھتا ہے" یہ معتزلہ پر ایک تعریض تھی۔ چنانچہ ایک معتزلی شخص نے جو اُس موقع پر موجود تھا۔ اسحٰق کو اُن کے

مخالف کر دینے کی غرض سے کہا۔ "اس فقرے سے ان کی یہ مراد ہے کہ خدا کانون سے سنتا اور آنکھون سے دیکھتا ہے" یہ اشارہ پاتے ہی اسحق نے پوچھا "سننے اور دیکھنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟" امام نے فرمایا "خدا ویسا ہی ہے جیسا خود اس نے اپنے آپ کو بتایا" اسحق نے دوبارہ اس کی توضیح چاہی تو امام نے پھر وہی جملہ فرمادیا کہ "وہ ویسا ہی ہے جیسا اس نے اپنے آپ کو بتایا ہے۔ اس سے زیادہ مین نہین جانتا"

اس کے بعد اسحق نے باقی تمام علما سے ایک ایک کر کے یہی سوال کیا۔ اور سب نے یہی جواب دیا کہ "قرآن خدا کا کلام ہے" اس سے زیادہ کسی نے نہ کہا۔ بجز چند کمزور طبیعت والون کے جنھون نے قبول کر لیا کہ "قرآن مخلوق ہے"

ابن بکاء نام ایک بزرگ نے اپنے اظہار مین کہا "مین اس کو مانتا ہون کہ قرآن مجعول ہے۔ اس لیے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا۔ اور مین قرآن کے "محدث" ہونے کا بھی اقرار کرتا ہون۔ اس لیے کہ ارشاد ربانی ہے مَا يَأۡتِيهِم مِّن ذِكۡرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحۡدَثٍ۔" اسحق نے پوچھا "اور جو چیز مجعول ہے وہ مخلوق ہے؟" کہا "ہان" پوچھا تو پھر قرآن بھی مخلوق ہے؟" کہا "یہ تو مین نہ کہون گا کہ قرآن مخلوق ہے۔ صرف اتنا ہی کہتا ہون گا کہ قرآن مجعول ہے" اسحق

نے اُن کا قول بھی قلبند کرایا۔ اور ساری کارروائی مامون کے ملاحظہ مین بھیجدی۔

مامون کے پاس سے جواب آیا تو اُس مین اِن سب لوگون کی نسبت بُرا بھلا اور سخت سُست لکھا تھا۔ اور اسحٰق کے نام حکم تھا۔ کہ "بشر بن ولید اور ابراہیم بن مہدی وغیرہ کو بلا کے پوچھو کہ اُن کے نزدیک قرآن مخلوق ہے یا نہین۔ مخلوق بتائین تو خیر ورنہ اِن سب کو پابزنجیر حراست مین میرے پاس یہان پڑاؤ مین بھیج دو"۔ اسی طرح دیگر ائمۂ حدیث کی نسبت بھی حکم تھا۔

اب اسحٰق نے پھر تمام علما کو جمع کر کے مامون کا یہ خط سُنایا۔ اُس کو سُنتے ہی اُن پر ایسا خوف طاری ہوا کہ سب نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کر لیا۔ بجز چار بزرگان دین کے جو اُس زمانے مین سب سے بڑے ائمۂ علم و فضل مانے جاتے تھے اول امام احمد بن حنبل۔ دوسرے سجادہ۔ تیسرے قواریری۔ اور چوتھے محمد بن نوح۔ چارون طوق و سلاسل مین جکڑ کے قید خانے مین بھیجدیے گئے۔ دوسرے دن اسحٰق نے پھر اپنے سامنے بلوا کے اُن سے قرآن کے مخلوق ہونے کا سوال کیا تو دو یعنی سجادہ اور قواریری نے ہمت ہار کے قبول کر لیا۔ مگر احمد بن حنبل اور محمد بن نوح اپنے اُسی قول پر قائم رہے۔ اور اُسی وقت یہ دونون فوجی حراست مین طرسوس کی طرف روانہ کر دیے گئے جہان مسلمان

مجاہدین روم کا پڑاؤ تھا۔ لیجانے والے سردار کو اسحق نے حکم دیا کہ امیر المومنین جب تک روم کے میدان جنگ سے واپس آئین یہ لوگ طرسوس ہی مین اسیر و پابند زنجیر رکھے جائین۔"

اِن دونون کے ساتھ نو اور علما بھی اسی طرح گرفتار کر کے بھیجے گئے تھے۔ یہ مقدس اسیران ستم شہر رقہ ہی تک ہونچنے پائے تھے کہ یکایک خبر آئی۔ "مامون نے سرزمین روم مین بیمار ہو کے ناگہان وفات پائی۔ اور اُس کا بھائی المعتصم باللہ خلیفہ ہوا۔"

معتصم ایک بے پڑھا جاہل خلیفہ تھا۔ مزاج مین رعونت تھی مامون کا پیرو تھا۔ اور اُس کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ دربار آزاد خیال فلسفیون خصوصاً معتزلیون سے بھرا ہوا تھا۔ جن کی صحبت نے اُن خیالات کو جو مامون کی تقلید مین دل کے اندر جاگزین ہو گئے تھے اور راسخ کر دیا۔ اِس کے ساتھ اِس کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ عربیت سے منحرف اور عجمیت کیطرف مائل تھا۔ عربون کو اُن کی حالت مین چھوڑ کر اُس نے ترکون اور عجمون کا ایک بڑا بھاری لشکر خوبصورت ترکی غلامون کو منگوا کے اپنے جلو مین مقرر کیا جو ہر پیش پیش تھے۔ اور اُنھین پر خلیفہ کی نظر عنایت تھی۔ اور یہی بنیاد اہل عرب کے بعد ترکون کے ذی اقتدار اور برسر حکومت ہونے کی ہوئی۔

وہ سنہ ۲۱۸ھ مین مسند نشین خلافت ہوا تھا۔ سنہ ۲۱۹ھ مین خاموش رہا اور سنہ ۲۲۰ھ مین اُسنے اُن مظلوم مقدس اسیرون کی طرف توجہ

جو قرآن مجید کو مخلوق نہ کہنے کے جرم مین لائے اور رقہ کے قیدخانے مین ڈال دیے گئے تھے سب اُس کے سامنے لائے گئے اور اُس نے دھمکایا کہ "قرآن کو مخلوق کہو ورنہ سخت سزا دی جائے گی" اور سبھون نے تو جان کے خوف سے تقیۃً قبول کر لیا۔ مگر امام احمد بن حنبل کی ایمانی قوت نے اس کو کسی طرح گوارا نہ کیا انکار کیا اور کمال بیرحمی سے حکم ہوا کہ وہ کوڑون سے پیٹے جائین۔ کوڑے پڑنے لگے مگر وہ قول حق سے نہ ہٹتے تھے۔ آخر پٹتے پٹتے کھال اُدھڑ گئی غش کھا کے گر پڑے۔ اور عالم بیہوشی مین لوگون نے پھر قیدخانے کے اندر لا کے ڈال دیا۔ اور نہین معلوم کہ کتنے دنون اس آزمائش مین مبتلا رہے۔

اس واقعے کے بعد معتصم برابر عقائد معتزلہ در مسئلۂ خلق قرآن کی جبریہ تبلیغ و اشاعت کرتا رہا۔ علماے دین نے اُس کے ہاتھ سے سخت مصیبتین اُٹھائین۔ چنانچہ اسی فتنۂ خلق قرآن مین اُس کے ہاتھ سے اہل علم کی ایک خلقت عظیم قتل ہو گئی۔ اور تمام ممالک مین اُس نے احکام جاری کر دیے کہ "مدارس و مکاتب مین طلبہ اور لڑکون کو لازمی طور پر عقیدۂ خلق قرآن کی تعلیم دی جایا کرے"

۲۲۷ھ مین معتصم نے دنیا چھوڑی اور اُس کا بیٹا الواثق خلیفہ ہوا۔ یہ بھی باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ ۲۳۱ھ مین اُس نے

امیر بصرہ کے نام حکم جاری کیا کہ "مامون اور موذنون سے دریافت کرو کہ مسئلۂ خلق قرآن میں کیا کہتے ہیں" غرض آغاز مسند نشینی میں وہ باپ کی طرح بڑا سخت معتزلی اور عقائد اعتزال کا زبردست حامی تھا مسئلۂ خلق قرآن کا بہت بڑا داعی رہا۔ اور اس کوشش میں خلفائے ماسبق سے زیادہ سخت تھا۔

اُس کی شدت اور سختی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اسی مذکورہ سنہ ۲۳۱ھ میں اُس نے زمانے کے نامور اور مستند امام حدیث احمد بن نصر خزاعی کو بیرون میں بیڑیاں ڈلوا کے بغداد سے سُر من رای میں بلوایا۔ اور سامنا ہوتے ہی پوچھا "بتاؤ قرآن مخلوق ہے یا نہیں؟" اُنھوں نے نہایت جرأت و استقلال سے جواب دیا "نہیں" پوچھا "کیا خدا قیامت کے دن دکھائی بھی جائے گا؟" کہا "ہاں۔ حدیث میں یونہیں آیا ہے" واثق نے طیش میں آکر کہا "تم جھوٹے ہو" جواب میں بے اختیار اُن کے زبان سے بھی یہی نکل گیا کہ "آپ خود جھوٹے ہیں" واثق بولا "کمبخت۔ کیا مجسم چیزوں کی طرح خدا بھی دکھائی جائے گا؟ یہ عقیدہ تو کفر ہے" یہ کہتے ہی فقہائے معتزلہ کی طرف دیکھ کر جو دربار میں کھڑے تھے۔ پوچھا "ایسا عقیدہ رکھنے والے کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟" اُنھوں نے کہا "واجب القتل ہے" یہ سنتے ہی تلوار منگوائی میان سے نکالی اور کہا "اس کافر کو میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا تاکہ یہ کار

خیر میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائیگی" ساتھ ہی نطع (چمڑے کا فرش جس پر لوگوں کو قتل کیا کرتے تاکہ خون سے زمین خراب نہ ہو) بچھوا دیا گیا۔ امام احمد بن نصر اُس پر گھسیٹ کے لائے گئے جو سر سے پاؤں تک زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اور اُن پر اُسی تلوار کے وار کرنا شروع کر دیے۔ یہاں تک کہ زخمی ہو کے گرے اور جوار رحمت الٰہی میں پہنچ گئے۔ قتل کرنے کے بعد اُن کے سر کو بدن سے جدا کر کے دھڑ سُرمن رائی میں مصلوب کر دیا گیا۔ اور سر بغداد میں بھیج کر ایک بلند مقام میں لٹکا دیا گیا۔ اور پہرہ مقرر کر دیا گیا کہ اگر کبھی اُس کا رُخ قبلے کی طرف ہو جائے تو نیزے سے پھیر کے دوسری طرف کر دیا جائے۔ اسوا اس کے اُن محدث شہید کا کان چھید کے اُس میں ایک رقعہ بندھوا دیا گیا جس میں لکھا تھا: "یہ سر احمد بن نصر کا ہے جس سے امام عبداللہ ہرون بن معتصم (واثق) نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار اور تشبیہ باری تعالے سے انکار کرانا چاہا۔ مگر اُس نے نہ مانا۔ اور ضد کی لہذا خدائے تعالے نے فوراً اُسے دوزخ میں پہنچا دیا۔ اور پہرہ مقرر کر دیا گیا کہ سر اگر کبھی قبلہ رُخ ہو جائے تو نیزے سے پھرا کے دوسری طرف کر دیا جائے"

یہ حالت تھی اِن معتزلی خلفا کے متعصبانہ ظلم کی! ابن ابی داؤد معتزلہ میں سب سے زیادہ ممتاز و سربرآوردہ

تھا۔ اور وہی وہ فقیہ و عالم تھا جو دربار خلافت پر حاوی تھا۔
خلیفہ ہر چیز اور ہر معاملے کو اُسی کی نگاہ سے دیکھتا۔ اُس کے
تعصب کی یہ حالت تھی کہ اتفاقاً ۲۳۱ھ ہی مین رومی سلطنت
کی رعایا مین سے جو لوگ گرفتار ہو کے آئے اُن مین ایک ہزار
چھ سو مسلمان بھی تھے۔ اُن کو دیکھتے ہی ابن ابی داؤد نے حکم
کیا کہ "اِن مین سے جو قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کرے وہ
چھوڑ دیا جائے۔ اور جو اِس کو نہ قبول کرے جب تک انکار کرتا
ہے قید خانے مین پڑا رہے"

خطیب بغدادی بھی کہتے ہین کہ "واثق مسئلۂ خلق قرآن مین
نہایت متشدد تھا۔ لوگون کو اس عقیدے کے ماننے پر مجبور کرتا۔
اور جو اُس کے قبول کرنے سے انکار کرتا اُس پر سختیان کرتا۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ واثق کو اپنے آخر عہد مین ایک
ایسا واقعہ پیش آیا جس نے یکایک اُسے مسئلۂ خلق قرآن کی تبلیغ
اور اُس کے لیے لوگون پر جور و ستم کرنے سے روک دیا۔

اور ہوا یہ کہ ایک صاحب علم مسلمان اِسی قرآن کو قدیم
بتانے کے جرم مین اپنے وطن سے اسیر کر کے واثق کے سامنے لایا
گیا۔ جو ہتھکڑیان اور بیڑیان پہنے اور طوق و سلاسل مین جکڑا
ہوا تھا۔ ابن ابی داؤد بھی اُس وقت دربار مین موجود تھا
قیدی نے بجائے واثق کے اُس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا

یہ مسئلۂ خلق قرآن جس کی طرف آپ لوگون کو بلا رہے ہین کیا اِس کی تعلیم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی؟"
ابن ابی داؤد نے بے پروائی کی شان سے کہا "ہان آپ ہی نے اِس کی تعلیم فرمائی ہے"۔ اسیر نے کہا "مگر با وجود تعلیم دینے کے حضرت رسالتمآب نے اِس کو گوارا فرما لیا تھا کہ جو نہ مانین وہ مجبور نہ کیے جائین۔ مگر افسوس آپ لوگ اِس کو گوارا نہین کرتے"۔ اُس کے یہ الفاظ سُن کہ تمام اہل دربار ایک سناٹے مین آ گئے۔ اور واثق کو ایسی بے تابی کی ہنسی آئی کہ منہ بند کر کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ محل مین جا کے خوب ہنس لیا تو بار بار یہ کلمات اُس کی زبان پر تھے "رسول اللہ صلعم نے تو اِس مسئلہ مین خاموشی گوارا کر لی۔ مگر تم نہین گوارا کرتے"۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس اسیر کو بلوا کے سو دینار انعام دیے۔ اور آزاد کر کے اُس کے وطن بھجوا دیا۔ اور پھر کبھی اُس کے بعد اُس نے اِس معاملے مین کسی پر سختی نہین کی۔ اِسی گھڑی سے ابن ابی داؤد اُس کی نظر سے گر گیا۔ اور مورخین لکھتے ہین کہ یہ قیدی جس کی بدولت مسئلہ خلق قرآن کا فتنہ دور ہوا۔ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن محمد ازدی تھے جو امام ابو داؤد اور امام نسائی کے استاد تھے۔ مگر اِس گوارائی کو تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ ۲۳۲ھ مین الواثق دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اب اُس کا جانشین المتوکل علی اللہ ہوا۔ اُسے

اہل سنت اور محدثین کے مسلک کی طرف رغبت تھی۔ اور اہل حدیث کا بڑا حامی و مددگار تھا۔ سنہ ۲۳۴ھ میں اطراف عالم میں احکام جاری ہو گئے کہ اب کسی کو قرآن کے مخلوق ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ محدثین کو سُر من رائی میں اپنے سامنے بلوا کے انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ اور انھیں حکم کیا کہ معتزلہ کے خلاف صفات باری تعالےٰ کی حدیثیں روایت کیا کریں۔"

اِسی وقت سے امام حدیث ابو بکر بن ابی شیبہ صاحب مسند جامع رصافہ (واقع بغداد) میں بیٹھ کر درس حدیث دینے لگے۔ جن کے حلقۂ درس میں تیس ہزار طلبہ کا ہجوم ہوتا تھا۔ اور اُن کے بھائی عثمان نے بغداد کی ایک دوسری مسجد جامع منصور میں روایت حدیث شروع کی تو اُن کے گرد بھی اتنے ہی طلبہ جمع رہا کرتے۔ لوگ متوکل سے اِس قدر خوش ہوے کہ ہر جگہ اُس کے لیے ترقی عمر و دولت کی دعائیں کی جانے لگیں۔ اور لوگوں نے اُس کی تعریف میں اِس قدر مبالغہ کیا کہ ہر شخص کی زبان پہ تھا "خلیفہ تو بس تین ہوے ہیں۔ ایک ابو بکر صدیق جنھوں نے مرتدون کا استیصال کیا۔ دوسرے عمر بن عبدالعزیز جنھوں نے بنی اُمیہ کے مظالم دُور کیے۔ اور تیسرے المتوکل علی اللہ جنھوں نے حدیث و سنت کو زندہ کر دیا۔ اور اعتزال کو مٹایا۔"

اُسی نے امام احمد بن حنبل کو (غالباً قید خانے سے)

بلوایا۔ وہ پہونچے۔ مگر خدا جانے کیا اسباب پیش آئے کہ اُس سے نہین بلکہ اُس کے بیٹے المعتزسے ملے۔ اور شاید اسی وقت سے وہ آزاد ہوگئے۔

متوکل نے فقہین امام شافعی کا مسلک اختیار کر لیا تھا۔ اور افسوس کیا کرتا کہ "افسوس مین نے امام شافعی کا زمانہ نہ پایا۔ ورنہ اُن کے سامنے زانوے شاگردی تہ کرتا۔ اور علم حاصل کرتا"

مگر بڑی خرابی یہ تھی کہ متوکل کو اپنے آبا و اجداد یعنی خلفاے آل عباس اور اُس وقت کے تمام اہل سنت فقہا و محدثین کے خلاف حضرت فاطمہ زہرا اور جناب علی مرتضیٰ کے خاندان سے عداوت تھی۔ اِس قسم کے جو جگر خراش واقعات اس کی صحبت مین پیش آیا کرتے تھے اُن کے علاوہ اُس نے سب سے بڑی ناصبیت یہ ظاہر کی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تُربت پاک اور اُس کے متعلقہ یا آس پاس کے تمام مکانون کو کُھدوا کے میدان کر دیا۔ اُس مین ہل چلا دیا۔ اور لوگون کو کربلا کی زیارت سے قطعاً روک دیا۔ یہ امر سارے مسلمانون کو گران گزرا۔ مگر باوجود اس کے نہ کسی عالم نے اُس کے خلاف سر اُٹھایا نہ کسی اور اعلیٰ یا ادنے شخص نے۔ بلکہ اعتزال سے تائب ہونے کی بنا پر ہر طرف اُس کی تعریفین ہی ہوتی رہین۔ اور اُس کی مدح مین شعرا و علما نے قصیدے کہے۔

متوکل کے بعد سے عباسی خلفا مذہب اہل سنت کے پیرو تھے لیکن اب خلافت اتنی کمزور پڑ گئی تھی کہ بجز نمائشی کروفر کے پوری حکومت ہی اُس کے قبضہ مین تھی اور نہ مذہب مین اُس کا کچھ اثر باقی تھا۔ اعتزال کو اُس نے رواج تو دیدیا۔ مگر اب اُس مین اتنی طاقت نہ تھی کہ اعتزال کو مٹا کے لوگون کو عقائد اہل سنت کا پابند بنائے۔

اگرچہ اہل فقہ و حدیث کو علانیہ درس دینے۔ مخالفین کی تردید کرنے۔ اور اپنے عقائد کی تعلیم دینے کی آزادی حاصل تھی۔ مگر دنیاے اسلام کی حالت گذشتہ خلفا کی حکومت نے یہ کر دی تھی کہ اصولی فروعی سیاسی اور ہر طرح کے معاملات مین اختلاف پڑا ہوا تھا۔ مختلف مذہبی و سیاسی گروہ آپس مین لڑتے اور عوام الناس کو بہکاتے پھرتے تھے۔

سب سے زیادہ ذی اثر فلسفیانہ اور حکیمانہ شان رکھنے والے علماے معتزلہ تھے جن کی درسگاہین اب بھی رونق پر تھین۔ اکثر والی اور قاضی معتزلی تھے۔ جو دعوے کرتے کہ اہل سنت ہماری دلیلو کے آگے ٹھہر ہی نہین سکتے۔ وہ جاہل ناقلین اخبار ہین۔ مگر اُن کے سمجھنے کی عقل نہین رکھتے۔ اُنھین کے ساتھ ساتھ جہمیہ یعنی جہم بن صفوان کے پیرو تھے جنھون نے اپنی جماعت الگ قائم کر رکھی تھی۔ اور اصولی مسائل مین معتزلہ کے ہمنوا و ہمزبان تھے۔

اُن کے ضد اور مقابل **حشویہ۔ مجسمہ** اور **نجاریہ** فرقے تھے جو خدا کو قریب قریب جسمانی بتاتے۔ اُس کی تمام باتوں کو انسانی حالات و صفات کے مشابہ کہتے۔ **مُرجیہ** تھے جو کہتے کہ ایمان لانے کے بعد نجات میں پھر کسی عمل کو دخل نہیں۔ اُن کے مقابل **خوارج** اور **معتزلہ** دونوں قریب قریب متحد الخیال تھے کہ ہر گناہ کبیرہ کے مُرتکب کو ایمان سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ بلکہ وہ مخلد فی النار ہے یعنی ہمیشہ دوزخ میں پڑا رہے گا۔

اِدھر **سیاسی فرقوں** میں سے **خوارج** تھے جو حضرات عثمان۔ علی۔ عائشہ۔ طلحہ۔ اور زبیر وغیرہ اکابر صحابہ و اہل بیت سب کو کافر مطلق بتاتے۔ اُن کے مقابل **شیعوں** کے بیسیوں مختلف الخیال گروہ تھے۔ شیعۂ **زیدیہ** تھے شیعۂ امامیہ تھے۔ شیعۂ **اسماعیلیہ** تھے شیعۂ **کیسانیہ** تھے اور وہ شیعہ تھے جو ائمۂ اثنا عشر میں سے ہر ایک کے **ہر فرزند** کی امامت کی دعوت کرتے پھرتے تھے۔ ان سب کے مقابل **شیعیان عثمان** یعنی طرفداران بنی اُمیہ تھے۔ اور ہسپانیہ میں اُن کی مستقل خلافت قائم ہو گئی تھی چند ہی روز بعد سارے شمالی افریقہ میں بنی فاطمہ کی اسمٰعیلی خلافت قائم ہو گئی۔ اُن کے مقابل شیعۂ امامیہ کے حامی فرمان روایان دیلم تھے۔ اور اُس سے بھی زیادہ قیامت یہ تھی کہ اسمٰعیلیوں کے داعی و نقیب تقیہ کر کے چپکے ہی چپکے ساری دنیائے اسلام میں خلفائے بنی فاطمۂ مصر کی دعوت کرتے۔ اور لوگوں کو بھکاتے پھرتے تھے بغیر اسلام

کے لیے سب سے بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ **قرامطہ** کا نیا خون آشام گروہ پیدا ہو گیا جس نے مشرقی عرب عمان۔ بحرین و یمامہ مین اپنا قدم جما لیا تھا۔ اور عراق کے ہر شہر مین ہل چل ڈال رکھی تھی۔ بلاد شام و فلسطین تک مین اُن کے مظالم سے خون کی ندیان بہ گئین۔ یہان تک کہ حرمین پر قبضہ کر کے اُن کے سردار نے حجر اسود کو ایک گرز مار کے پاش پاش کر دیا۔ اور اُس کے ٹکڑون کو مشرقی عرب مین اُٹھا لے گیا۔ اور بیس بچیس سال تک کعبہ اس متبرک ابراہیمی امانت سے محروم رہا۔ خوارج الگ لوٹتے مارتے پھرتے تھے۔ ادھر **باطنیون** کا گروہ قائم ہو گیا جس نے خراسان سے لے کر شام تک تمام پہاڑون پر قبضہ کر کے اپنے قلعے بنا لیے۔ اور اُن کے فدائی ہر طرف خنجر باندھے پھرتے کہ جس بادشاہ جس وزیر۔ جس سردار۔ اور جس عالم کی نسبت اشارہ ہو اُس کے پاس پہونچین۔ فریب سے اُس کے دوست یا خادم بنین۔ اور موقع پاتے ہی اُس کا کام تمام کر دین۔

ایسی حالت مین خداوند تعالیٰ نے اہل سنت اور فقہا و محدثین کی مدد کے لیے **امام ابو الحسن علی بن اسماعیل ابو بشر اشعری** کو اُٹھا کے کھڑا کر دیا۔ وہ صحابی رسول اللہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی نسل مین تھے۔ اور سلسلہ نسب نوین پشت پر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تک پہونچتا تھا۔ ۲۶۰ھ مین پیدا ہوے تھے۔ اور تعلیم زبردست امام معتزلہ جبائی کی درس گاہ مین پائی تھی جس کی صحبت مین چالیس سال

کی عمر تک مسلک معتزلہ کے پابند رہے۔ جُبّائی معتزلہ کا بہت بڑا مصنف تھا۔ اور ابو الحسن اُس کے شاگردون مین سب سے بڑے فصیح و طلیق اللسان بحث کرنیوالے۔ جہان اہل سُنّت کا مجمع سُنتے جا پہونچتے۔ اور بحث چھیڑ دیتے اُن کے مُناظرے نے علماے فقہ و حدیث کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ مگر باوجود ایسی قوت مناظرہ کے اُنھون نے اِس وقت تک کوئی کتاب نہین تصنیف کی تھی۔ بلکہ تصنیف و تالیف مین بہت کمزور خیال کیے جاتے مگر فصیح البیان مقرر اور مُناظر اتنے بڑے تھے کہ لوگون مین مشہور تھا جتنے وہ گویا ہین اتنا ہی اُن کا استاد جُبّائی جہان اور بحث مباحثہ مین کمزور واقع ہوا ہے۔ چنانچہ جب کہین مناظرے کی ضرورت پیش آتی تو جُبّائی اُنھین کو اپنی طرف سے بھیج دیا کرتا۔

غرض ابو الحسن اشعری یون ہی اہل حدیث کے لیے ایک مصیبت اور اہل سنت کے حق مین ایک آفت بنے ہوے تھے کہ ایک سال ماہ مبارک رمضان کے عشرۂ اول مین ایک رات کو حضرت رسول خدا صلعم کی زیارت ہوئی۔ اور حضور سرور عالم صلعم نے حکم فرمایا کہ "ابو الحسن جو مسائل حدیث مجھ سے مروی ہین اُن کی تائید کرو۔ اسلیے کہ وہی برحق ہین" آنکھ کھلی تو سخت اُلجھن اور پریشانی تھی۔ دل مین کہتے "محدثین اور راویان حدیث کے مسلک کے خلاف جو دلیلین میرے دل مین بسی ہوئی ہین اُن کو میرے دل سے کیسے مٹا دون؟"

اسی پریشانی مین رمضان کا پہلا عشرہ گزر گیا۔ دوسرا عشرہ

شروع ہوگیا۔ اور فرماتے ہین مین پھر ایک رات جناب رسالت
علیہ السلام کی زیارت سے شرفیاب ہوا۔ اور حضور نے میری صورت
دیکھتے ہی فرمایا "مین نے جو کہا تھا اُس مین تم نے کیا کیا؟ حضرت
اشعری کہتے ہین مین نے جرأت کرکے عرض کیا "یارسول اللہ مین
نے احادیث مرویہ کا مطالعہ کیا۔ اور علم کلام کی رُو سے جہان تک
گنجائش پائی اُن کو اختیار کیا" ارشاد ہوا "احادیث مرویہ کی تائید
کرو۔ وہی برحق ہین" اور ساتھ ہی آنکھ کھل گئی۔ اور مین نہایت ہی
ملول و حزین تھا۔ نہ کوئی بات سمجھ مین آتی تھی اور نہ کچھ بن پڑتا تھا۔
آخر مین نے دل مین ٹھان لی کہ علم کلام کو ترک کردون۔ اور
حدیثون پر عقیدہ جماؤن۔ چنانچہ اب مین رات دِن کلام اللہ
اور کتب حدیث ہی کا مطالعہ کیا کرتا۔

اُسی حال مین رمضان کا دوسرا عشرہ گزر کے تیسرا بھی
ختم ہونے کے قریب آگیا تھا کہ رمضان کی ۲۷ آئی۔ یہ شب قدر
کی رات مانی جاتی ہے۔ اور معمول تھا کہ لوگ مسجدون مین جمع ہو کر ساری
رات نماز و عبادت مین بسر کرتے۔ مین بھی مسجد مین اسی ارادے
سے گیا۔ لیکن یکایک نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ گرا پڑتا تھا جب کسی
طرح چین نہ پڑا تو اپنی بدقسمتی پر افسوس کرتا ہوا گھر مین آیا۔ اور
آتے ہی پڑ گیا۔ لیٹنا تھا کہ آنکھ لگ گئی۔ اور پھر جلوۂ جمال محمدی صلعم
نظر کے سامنے تھا۔ اور آپ پوچھ رہے تھے "جس بارے مین مین نے

کہا تھا تم نے کیا کیا؟" میں نے عرض کیا۔" یا رسول اللہ! میں نے کلام کو ترک کر دیا۔ اور قرآن و حدیث کے مطالعے میں محو رہتا ہوں۔"
ارشاد ہوا" میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا۔ میرا حکم تو یہ تھا کہ مسائل مرویۂ حدیث کی تائید کرو۔ کیونکہ وہی برحق ہیں۔" اب کی میں نے جی کڑا کر کے عرض کیا" یا رسول اللہ! محض ایک خواب کی بنا پر اس مذہب کو کیسے چھوڑ دوں جس کے مسائل سینے میں بسے ہوئے ہیں؟ اور جس کی دلیلیں تیس سال سے دل پر نقش ہیں؟" ارشاد فرمایا" اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ خود خدائے تعالے اس بارے میں تمھاری ہدایت و مدد کرے گا تو جب تک ہر مسئلہ کے علل و اسباب تمھارے ذہن نشین نہ کر دیتا میں تمھارے پاس سے نہ ہٹتا۔ اور تم اسے محض خواب سمجھتے ہو! اگر یہ میرا تمھارے پاس آنا فقط خواب نہیں ہے۔ اب اس کے بعد تم مجھے نہ دیکھو گے۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اس حکم پر عمل کرو۔ اور کوشش سے کام لو۔ من جانب اللہ تمھاری مدد اور اعانت ہو گی۔"

اب جو آنکھ کھلی تو میری کچھ اور ہی حالت تھی۔ دل میں کہا" بس اب حق کے خلاف بجز گمراہی کے کچھ نہیں۔ اور اسی گھڑی سے میں حدیثوں اور مسلک اہل سنّت کی تائید میں غور کرنے لگا۔ اور خدا کی قسم میرے خیال میں خود بخود نئی دلیلیں اور توجیہیں پیدا ہو جاتیں۔ جو نہ کبھی پیشتر میرے وہم میں گزری تھیں۔ نہ ان کو

کسی کتاب مین پڑھا تھا۔ اور نہ کسی مخاصم نے بحث مین وہ میرے سامنے پیش کی تھین۔ اس حالت سے مجھے یقین کامل ہو گیا کہ یہ تائید غیبی کے سوا کچھ نہین ہے۔

سچ پوچھیے تو یہ حضرت رسالت صلعم کا ایک ابدالآباد تک زندہ رہنے والا معجزہ تھا کہ ایک ایسے شخص کو جو کل تک پکّا معتزلی تھا۔ اہل سنّت کے علما و محدثین کو ہر صحبت مین زک دے کر عاجز کر دیا کرتا تھا۔ جس کے لوح دل پہ ملحدانہ مسائل کی دلیلین نقش تھین۔ جن کا اُس کے اعتقاد مین کچھ جواب نہ تھا۔ وہی آج ایک شب مین ایسا پکّا پابند سُنّت ہو گیا کہ معتزلہ اور شیعون اور تمام نئے فرقون کے عالمون کو زک دیتا اور قائل و معقول کرتا پھرتا ہے۔ مخالفین حدیث و سُنّت کے بڑے بڑے دعوے کرنے والے مباحثون اور مناظرون کی زبانین اُس کے سامنے بند ہین۔ اور اُس سے مُنہ چھپاتے اور بھاگتے پھرتے ہین۔

حضرت ابوالحسن اشعری نے اپنے اس نئے مسلک کا آغاز یون کیا کہ مذکورہ خوابون کی وجہ سے رمضان کے مہینے مین گھر مین خاموش بیٹھے فکر اور غور کرتے رہے۔ اور اگرچہ کبھی کوئی کتاب نہین تصنیف کی تھی مگر اپنے اُن الہامی مسائل و مباحث کو چپکے چپکے رسالون مین قلمبند کر لیا۔ اور یکایک ایک جمعہ کو تیار ہو کر مسجد مین آئے۔ اُن کا اُستاد جُبائی اپنے صدہا طلبہ کے

حلقے میں بیٹھا درس دے رہا تھا کہ اُس کے سامنے جا کے بیٹھ گئے اور پوچھا "یا شیخ۔ ایسے تین شخصوں کی معاد کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ جن میں سے ایک مومن ہے۔ ایک کافر ہے۔ اور ایک نابالغ بچہ ہے" جبائی نے اپنے عقیدے کے مطابق جواب دیا "مومن جنت میں جائے گا۔ کافر دوزخ میں جائے گا۔ اور نابالغ اُس تیسرے عالم میں رہے گا جو جنت و دوزخ کے درمیان ہے" اشعری نے کہا "اور اگر وہ نابالغ خدا سے کہے کہ تو نے مجھ پر ظلم کیا کہ مجھے بچپن میں مار ڈالا۔ میں بڑا ہو کے مومن صالح بنتا۔ ثواب کے کام کرتا۔ اور جنت کا مستحق ہوتا۔ تیرے مار ڈالنے کے باعث میں اُس درجۂ اعلیٰ اور اِن نعمتوں سے محروم رہ گیا۔ تو اُس کا خدا کیا جواب دے گا؟" جبائی بولا "خدا کہے گا میں جانتا تھا کہ تو بڑا ہو کر کافر ہو گا۔ اسی مصیبت سے بچانے کے لیے میں نے تجھے بچپن میں مار ڈالا" ابوالحسن نے کہا "اور اگر وہ کافر کہے کہ خداوندا تجھے میرے کافر ہونے کا بھی علم تھا۔ پھر تو نے مجھ کو بچپن میں کیوں نہ مار ڈالا کہ عذاب دوزخ سے محفوظ رہتا؟ تو بتائیے خدا اُس کو کیا جواب دے گا؟" اب جبائی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ لاطائل توجیہیں کرنے لگا۔ اور ابوالحسن اشعری بولے "بس رہنے دیجیے۔ اِن توجیہوں سے کام نہ چلے گا۔ اس لیے کہ آپ کی دلیلوں کا گدھا دلدل میں

چھپا ہوا ہے۔

یہ کہتے ہی حضرت ابوالحسن اشعری جبائی کے حلقے سے اٹھ کر مسجد کے منبر پہ جا کھڑے ہوے۔ اور آواز دی کہ "یا معاشر المسلمین" فوراً تمام لوگ جو مختلف حلقون مین بیٹھے تھے آکر سامنے جمع ہو گئے۔ اور آپ نے فرمایا "حضرات۔ آپ مین جو حضرات مجھے پہچانتے ہون وہ تو جانتے ہی ہین۔ مگر جو نہین پہچانتے اُنھین بھی مین بتاتا ہون کہ مین ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری ہون۔ مین قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل تھا۔ رویت باری تعالے سے منکر تھا۔ اور خیر و شر دونون کو بجاے خدا کے اپنی طرف منسوب کرتا تھا۔ مگر آج مین اِن عقیدون سے توبہ اور معتزلہ کے دعوون کی تردید کرتا ہون۔ اُن کی لغوِیتون کو ظاہر کرتا۔ اور اُن کے عیبون کو کھولتا ہون" پھر فرمایا "لوگو مین گذشتہ چند روز آپ حضرات کے سامنے نہین آیا۔ اور گھر مین بیٹھا رہا۔ اس کا باعث یہ تھا کہ مین مختلف اعتقادی و اصولی مسائل مین غور و خوض کر رہا تھا۔ اور کسی طرح حق و باطل مین امتیاز نہ کر سکا۔ آخر خدا سے ہدایت کی التجا کی۔ اور اُس نے اپنی عنایت سے مجھ پر حق کو منکشف و آشکار کر دیا۔ اُن ہدایات کو مین نے اپنے اِن رسالون مین قلمبند کر دیا ہے جن کو آپ کے سامنے پیش کر کے اپنے تمام گذشتہ اعتقادات سے توبہ کرتا ہون اور آج اپنے اُن عقائد سے اسی طرح جدا ہوتا ہون جس طرح اپنے اس کرتے سے الگ ہوتا ہون" یہ کہتے ہی کرتا اُتار کے دور پھینک دیا۔ اور

وہ رسالے لوگون کے ہاتھ مین دے دیے اُنھین مین اُن کی ایک کتاب ”لُمع“ (یعنی کتاب انوار) تھی اور دوسرا رسالہ ”کشف الاسرار وہتک الاستار“ تھا جس مین معتزلہ کی شرمناک غلطیان دکھائی ہین حضرات سامعین اِس موقع پر آپ ذرا پہلے معتزلی واصل بن عطا کے حضرت حسن بصری کی صحبت سے جُدا ہونے کو یاد فرمائین جس نے اعتزال کا مسلک ایجاد کرکے اِس ملحدانہ گروہ اور اُس کے اسلام کُش علم کلام کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور اُس کے بعد آج امام ابوالحسن اشعری کے اپنے معتزلی اُستاد جُبّائی کے حلقۂ درس سے جُدا ہونے کی تصویر پیش نظر کرین جس نے ایک ہی گھڑی کے اندر دُنیا کا رُخ پلٹ دیا۔ اور فرقۂ معتزلہ کی تردید شروع کی تو چند روز مین اُسے دُنیا سے فنا ہی کرکے چھوڑا۔

حضرت ابوالحسن اشعری کی اُن کتابون کے شائع ہوتے ہی معتزلہ مین سناٹا نہین ایک تہلکہ پڑ گیا۔ ادھر اہل سُنّت نے اُن کتابون سے سبق لیا۔ اُن پر بھروسہ کیا۔ اور ابوالحسن اشعری کو اپنا امام دین تسلیم کر لیا۔ یہان تک کہ اہل سُنّت اُنھین کے جانب منسوب ہو کر ”اشعری“ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

اِس سے پیشتر معتزلہ کہتے پھرتے تھے کہ علماے حدیث وفقہ ہمارے سامنے مُنھ نہین کھول سکتے۔ اور ہماری بحثون سے عاجز ولاجواب ہین۔ مشہور کرتے کہ امام احمد بن حنبل ہمارے مقابلے

مین قائل ہو گئے۔ اور کچھ نہ کہہ سکے۔ مگر اب امام ابو الحسن اشعری حدیث و قرآن کی حمایت مین جو اُٹھ کھڑے ہوے تو اُنھین بھاگتے راستہ نہ ملتا تھا۔ چند ہی روز مین حضرت اشعری کے گرد طلبہ کا ایک بڑا بھاری ہجوم جمع ہو گیا۔ جو قرآن و حدیث کی حمایت مین اپنے اُستاد کی بنائی ہوئی دلیلین پیش کر کے ہر معتزلی کو خاموش کر دیتے۔ اور بڑے بڑے علماے معتزلہ کونون مین چھپتے پھرتے۔

مین یہ بھی بتا دینا چاہتا ہون کہ اصولی و اعتقادی مسائل مین امام ابو الحسن اشعری کا مسلک کیا ہے۔ اُنھون نے ہر مسئلہ مین ایک اوسط کا درمیانی طریقہ اختیار کیا۔ معتزلہ نے خداے تعالےٰ کو بالکل معطل بنا دیا تھا۔ کہتے کہ اُس وحدہ لاشریک مین نہ علم ہے۔ نہ سماعت ہے۔ نہ بصارت ہے۔ نہ اُسے حیات حاصل ہے۔ نہ بقا۔ اور نہ اُس مین ارادہ ہے۔ اُن کے بالکل ضد مجسمہ اور حشویہ کہتے تھے کہ اللہ تعالےٰ کا علم ہمارے علم کے مماثل ہے۔ اُس کی قدرت ہماری قدرت کی سی ہے۔ اور ہماری ہی طرح وہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ امام ابو الحسن اشعری نے اُن دونون کے درمیان یہ مسلک اختیار کیا کہ اُس کو علم ہے مگر ہمارے علمون کا سا نہین۔ قدرت ہے مگر ہماری قدرت کے غیر مشابہ سنتا ہے نہ ہماری طرح اور دیکھتا ہے نہ ہماری طرح۔

جہم بن صفوان نے کہا کہ بندہ دنیا کے واقعات اور اپنے

افعال پر قادر نہین۔ اور کسب یعنی اُن کے اختیار کرنے پر قادر ہے۔ حشویہ مشبہہ کہہ رہے تھے کہ خداوند تعالے اُسی طرح متکیف ومحدود نظر آئے گا جس طرح تمام اجسام دکھائی دیا کرتے ہین۔ اُس کے خلاف معتزلہ جہمیہ اور نجاریہ فرقے کہتے تھے کہ وہ جل شانہ کبھی اور کسی حال مین نظر ہی نہین آسکتا۔ امام اشعری نے یہ اوسط کا اور معتدل طریقہ اختیار کیا کہ وہ رب العزت بغیر کسی چیز مین حلول کیے اور بغیر حدود اور کیفیت کے دیکھا جائے گا جیسے کہ بغیر محدود و متکیف ہونے کے وہ دیکھتا ہے۔

نجاریہ نے دعویٰ کیا کہ باری تعالے بغیر کسی چیز مین حلول کرنے کے اور بغیر جہت کے ہر جگہ موجود ہے۔ اُن کے برعکس حشویہ مجسمہ کہنے لگے کہ وہ عرش مین حلول کیے ہوئے ہے۔ عرش اُس کا مکان ہے جس پر وہ بیٹھا ہوا ہے۔ اِن دونون کے درمیان امام اشعری نے یہ راہ نکالی کہ وہ رب العزت اُس وقت بھی موجود تھا جب یہ مکان یعنی عرش موجود نہ تھا۔ کیونکہ عرش وکرسی کو اُس نے بعد پیدا کیا ہے۔ لہٰذا وہ مکان کا محتاج نہین۔ مکان کے پیدا ہونے کے بعد بھی اُس کی وہی شان ہے جو مکان کے ہونے سے پیشتر تھی۔

معتزلہ کہہ رہے تھے کہ باری تعالے کا ہاتھ ہاتھ نہین بلکہ اُس سے قدرت ونعمت مراد ہے۔ چہرہ چہرہ نہین اُس سے وجود

مُراد ہے۔ اُن کے مقابل مجسمہ کہتے تھے کہ اُس کا ہاتھ اور اُس کا چہرہ ہماری صورت ہی کی ایسی ایک جسمانی شکل ہے۔ امام اشعری نے یہ فیصلہ کیا کہ خدا کے لیے ہاتھ اور چہرہ ہونا بھی منجملہ اُس جل شانہ کے دیگر صفات کے ایک صفت ہے۔ جیسے کہ سُننا اور دیکھنا اُس کی صفتین ہین جن کو ہمارے ہاتھ اور چہرے اور ہماری سماعت وبصارت سے کوئی نسبت ومشابہت نہین۔

خدا کا عرش پہ کھڑا ہونا اور اُس سے اُترنا جو قرآن وحدیث مین وارد ہوا ہے اُس مین معتزلہ یہ کہتے کہ ان آیتون اور حدیثون مین اُس وحدہ لاشریک کی بعض آیتین اور نشانیان اور اُن کا نیچے اُترنا مراد ہے۔ اور استوا (کھڑے ہونے) سے مراد استیلا وغلبہ ہے۔ مشبہہ اس کے خلاف معتقد تھے کہ خود خداے تعالےٰ کی ذات کا حرکت کر کے اُترنا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا۔ اور استوا سے عرش پہ بادشاہون کی طرح جلوس کرنا۔ اور اُس مین حلول کرنا یعنی داخل ہونا مراد ہے۔ امام ابوالحسن اشعری نے دونون کے خیال کو لغو بتا کے فرمایا کہ نزول واستوا بھی اُس کی دوسری صفتون کی طرح دو بے مثال صفتین ہین۔

معتزلہ بڑے شدومد کے ساتھ دعوی کرتے تھے کہ خدا کا کلام مخلوق ہے جس کو اُس جل شانہ نے پیدا اور ایجاد کیا۔ مجسمہ نے اُن کے بالکل ضد پہ یہ کہا کہ اُس کے کلام سے مراد حروف

مقطّعات ہین جن سے وہ کلام اجسام (کاغذ وغیرہ) پر متشکل ہوتا ہے رنگون (روشنائیون) یین ہاتھون کے ذریعہ سے ممنوع کیا جاتا ہے یعنی وہ کاغذ ہین جن پر اور وہ رنگ ہین جن سے وہ لکھا جاتا ہے۔ اور سارا قرآن مجید جو دو دفتیون کے بیچ مین ہے سب کا سب قدیم ازلی ہے۔ ابو الحسن اشعری نے اس مین یہ درمیانی مذہب اختیار کیا کہ قرآن بیشک خدا کا کلام اور قدیم ہے۔ نہ مخلوق ہے۔ نہ بدلتا ہے۔ نہ حادث ہے نہ نیا پیدا ہونیوالا۔ مگر حروف مقطّعات۔ اجسام۔ رنگ۔ آوازون۔ محدود صورتون۔ اور کیفیتون کی قسم کی جتنی چیزین عالم مین اُس کے متعلق ہین سب مخلوق ہین۔

ایمان کے بارے مین معتزلہ جہمیہ اور نجاریہ کا قول یہ تھا کہ ایمان مخلوق ہے مطلقاً۔ حشویہ و مجسمہ کہتے تھے کہ وہ قدیم ہے مطلقاً۔ امام اشعری نے یہ فیصلہ فرمایا کہ "ایمان دو ہین۔ ایک خدا کا ایمان وہ قدیم ہے۔ اس لیے کہ وہ رب العزت خود اپنے آپ کو مومن و "مہیمن" بتاتا ہے۔ دوسرا مخلوق کا ایمان ہے اور وہ مخلوق ہے۔

مُرجیہ اس پر جمے ہوے تھے کہ جو شخص ایک بار خلوص دل و صدق عقیدت سے ایمان لے آیا پھر وہ نہ مُرتد ہونے سے کافر ہو سکتا ہے اور نہ کفر اختیار کرنے سے۔ اُس کے کبیرہ گناہ لکھے ہی نہین جاتے۔ اُن کے خلاف معتزلہ کا دعوی تھا کہ کوئی با ایمان شخص سو برس تک متقی و پرہیزگار رہنے کے بعد بھی کسی ایک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو جائے تو ہمیشہ

عذاب دوزخ مین مبتلا رہے گا۔ اور کبھی آتش دوزخ سے نہ نکل سکے گا۔ اس مین امام ابو الحسن اشعری نے فرمایا جو مومن موحد فاسق ہو اُس کا معاملہ خدا کی مشیت پر موقوف ہے۔ چاہے قصور معاف کرکے اُسے جنّت مین داخل کرے۔ اور چاہے اُس کے گناہون کی بنا پر کچھ دن عذاب دوزخ مین مبتلا رکھ کے پھر جنّت مین جگہ دے۔ لیکن ایک کبیرہ گناہ جو ایک محدود وقت مین ہو کے ختم ہو گیا اُس کی پاداش مین خلود فی النار یعنی دوزخ مین ہمیشہ پڑا رہنا ہرگز نہین ہو سکتا۔

شیعہ کہتے تھے کہ پیغمبر صلعم اور حضرت علیؑ کو بغیر خدا کے اذن اجازت کے شفاعت کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہان تک کہ اگر وہ کفار کی شفاعت کرین تو بھی قبول ہو گی۔ اُن کے برعکس معتزلہ کہتے تھے کہ شفاعت کوئی چیز ہی نہین۔ اس مین امام اشعری نے یہ درمیانی اور منصوص مسئلہ نکالا کہ رسول خدا صلعم شفاعت کرین گے۔ اور وہ قبول بھی ہو گی۔ مگر وہ گنہگار مسلمانون تک محدود رہے گی۔ اور وہ خدا کے اِذن یعنی اُس کے حکم سے ہو گی۔

خوارج کہتے تھے کہ حضرات عثمان و علی رضی اللہ عنہما دونون معاذ اللہ کافر ہین شیعہ اِس کے مقابل حضرات شیخین کو (نقل کفر کفر نباشد) کافر و مرتد بتاتے۔ حضرت امام اشعری نے اس مین یہ مسلک بتایا۔ کہ چارون اصحاب کی محبت اور دوستی منصوص ہے۔ اور چارون کو حسب ترتیب ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔

معتزلہ کا اعتقاد تھا کہ امیر المومنین معاویہ طلحہ و زبیر اور ام المومنین عائشہ صدیقہ اور وہ تمام لوگ جنھون نے ان سب کی پیروی کی غلطی پر تھے۔ جس کی وجہ سے کسی ادنےٰ معاملے مین بھی ان کی شہادت (گواہی) مقبول نہین ہو سکتی۔ اُن کے ساتھ شیعہ آن سب کو (عیاذاً باللہ) کفار مُرتد کہہ رہے تھے۔ اس کے خلاف شیعیان عثمان یعنی بنی اُمیہ کہتے کہ اُن بزرگون کی جانب خطا اور غلطی کو کسی حال مین بھی منسوب نہین کر سکتے۔ بلکہ ساری غلطیان حضرت علی اور اُن کے رفیقون کی تھین۔ امام اشعری نے اس معاملے مین فرمایا سب بزرگان اُمت مجتہد تھے۔ اور ہر مجتہد اپنے ہر فیصلے پر مستوجب ثواب ہوتا ہے۔ سب حق پر تھے۔ اصولی مسائل مین اُن کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔ اختلافات صرف فروع مین تھے۔ جن مین ہر ایک کا اجتہاد جُداگانہ تھا۔ مگر سب صحیح راستے پر رہے۔ اور اُنھین اپنے اُن اجتہادون کا ثواب ملے گا۔ ان مسائل مین اُنھون نے جو رائین قائم کین اُن مین کسی خواہش نفس یا بُرے ارادے کو دخل نہ تھا۔ اور اُنھون نے جو کچھ کیا دلیل و بُرہان سے کیا۔

یہ سچا متوسط و معتدل اصول کا مسلک تھا جس کو ابوالحسن اشعری نے قرآن و حدیث کے نصوص کے علاوہ عقلی اور منطقی دلیلون سے ثابت کیا۔ اور مباحثون اور مناظرون مین معتزلہ اور تمام مخالف فرقون کو ہر جگہ ایسا خاموش کیا کہ دنیا مین اُن کی کساد بازاری

ہو گئی۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اپنے زمانے ہی مین اُنھون نے اعتزال کو بالکل مٹا دیا۔ یا سارے مبتدعہ فرقون کا زور توڑ دیا۔ معتزلی خلفاے بنی عباس اپنی سطوت اور جبر و ظلم سے اس مذہب کو اس قدر پھیلا گئے تھے کہ اُس کا ایک محدود زمانے مین اور ایک ہی شخص کی کوشش سے مٹ جانا غیر ممکن تھا۔ مگر یہی کیا کم تھا کہ علماے معتزلہ کو کسی جگہہ سر اُٹھانے کی جُرأت نہ ہوتی تھی۔ آبو الحسن باہلی علماے شیعہ امامیہ مین ایک بڑے پائے کے فاضل تھے۔ اُن سے آبو الحسن اشعری سے بحث ہوئی اور قائل و لاجواب ہو کر وہ اہل سُنّت کے زُمرے مین داخل ہو گئے۔ اور اُن کا شمار اہل سنّت کے اکابر ائمہ سلف مین ہے۔

امام آشعری اپنے اعتزال کے زمانے مین زبردست مناظر اور طلیق اللسان بحث کرنے والے تھے مُصنّف نہ تھے۔ مگر اُن کا پیرو حدیث و قرآن ہونا تصنیف اور مناظرے دونون سے شروع ہوا۔ چنانچہ اس کا اظہار و اعلان کرنے کے ساتھ ہی اپنی کئی کتابین پیش کردین۔ اور اُس کے بعد تصنیف و تالیف مین مصروف ہوئے تو اُس زمانے مین اُن سے بڑا کوئی مصنف نہ تھا۔ نامور محدث اسلام آبن عساکر نے اپنے رسالۂ "تبیین کذب المفتری فی مانُسب الی الامام ابی الحسن الاشعری"، مین اُن کی تقریباً نوے کتابون کی مفصّل و مشرّح فہرست خود امام آبو الحسن کے تصانیف سے نقل کر کے پیش کی ہے۔

جس سے نظر آتا ہے کہ کوئی مبتدع فرقہ اور کوئی ملحدانہ عقیدہ نہین
جس کی تردید اُنھون نے شرح وبسط کے ساتھ نہ کی ہو۔ اور
تعجب معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص جس کی نسبت ابتدائً کہا جاتا تھا
کہ بجز مناظرے کے تصنیف کر ہی نہین سکتا وہ پیرو سُنّت ہوتے
ہی اتنا بڑا مستند اور عدیم النظیر مصنف کیسے بن گیا۔ اصل حقیقت یہ
ہے کہ یہ اُسی تائید غیبی کی برکت تھی جس کا حضرت رسول خدا صلعم
نے خواب مین اُن سے وعدہ فرمایا تھا۔ لہذا اُن کتابون کو بجاے
اُن کے عالمانہ خیالات کے اگر الہام کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

اُن کو معتزلہ سے اس قدر شدت نفرت تھی کہ سنہ ۳۲۴ھ یا
سنہ ۳۳۰ھ مین (علی اختلاف الروایات) جب اُن کا انتقال ہوا
ہے تو احتضار کے وقت ایک شاگرد نے دیکھا کہ ہونٹ ہل رہے
ہین۔ کان لگا کے سُنا تو فرماتے تھے "خدا معتزلہ پر لعنت کرے
کہ جو کچھ اُن کے مُنہ مین آیا بک دیا۔ اور اُمت مین تفرقہ ڈال
دیا"۔ پھر اُسی حالت مین زبان نے کچھ یاری دی تو اپنے شاگرد
ابو علی زاہر بن احمد سرخسی کو پاس بُلا کے فرمایا "گواہ رہنا
کہ مین اہل قبلہ مین سے کسی کی تکفیر نہین کرتا"۔

اگرچہ اپنی زندگی مین وہ معتزلہ کا پورا استیصال
نہین کر سکے۔ مگر اُن کے کلام کے مقابلے مین اپنی موید من اللہ
کوشش سے جو کتاب وسُنّت کا نیا کلام اُنھون نے ایجاد کر دیا

اُس نے دو ہی تین صدیون کے اندر معتزلہ کو نیست و نابود کر دیا۔ اور کبھی وہ اہل سُنّت کے مقابلے مین نہین ٹھہر سکے۔ اُن کی وفات کے بعد اِس نئے کلام کے حامی و مبلغ اور اشعریت کے نامور مرد میدان اُستاذ ابو اسحق اسفرائنی۔ قاضی ابو بکر باقلانی۔ اور استاذ ابو بکر بن فورک اصفہانی ہوے۔ پھر امام الحرمین ابو المعالی جوینی۔ اور امام غزالی میدان مین آئے۔ اور سب کے بعد امام فخر الدین رازی نے امام ابو الحسن اشعری کے اس دینی علم کلام کو انتہائی کمال پر پہونچا کے الحاد و اعتزال کا ایسا خاتمہ کر دیا کہ دنیا مین اُن کا کوئی نام لیوا بھی نہ باقی رہا۔

اِن متکلمین حدیث و قرآن نے جس طرح زحمتین اُٹھا کے اور زبردست قوتون سے لڑ لڑ کے حریفون پر فتح پائی اُس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ جو امام ابو الحسن اشعری کی وفات کے تھوڑے ہی زمانے بعد پیش آیا تھا۔

جن دنون دنیاے اسلام مین دیلمیون کی سطوت قائم تھی۔ اور وہ مذہب شیعہ و اعتزال کے پشت و پناہ بنے ہوئے تھے اُنھین مین کا ایک فرمان روا جس کا نام فنا خسرو تھا فارس پر مسلط تھا۔ اور شیراز اُس کا مستقر حکومت تھا۔ وہ بڑا علم دوست اور حامی اسلام بادشاہ تھا۔ مگر اعتقاداً معتزلی تھا۔ اور دربار مین بڑے بڑے نامی گرامی علماے معتزلہ جمع تھے۔ فنا خسرو کے عالمانہ مذاق نے دربار شاہی اور ایوان شہریاری کو ایک علمی اکیڈمی

بنا رکھا تھا۔ روز علما مین بحثین ہوتین۔ تحقیق مسائلِ عقل و نقل کا سلسلہ جاری رہتا۔ اور صدر نشینِ محفل ملک کے قاضی القضاۃ ہوتے جو بڑے متشدد معتزلی تھے۔ اور اُن کا جوش اہلِ سُنّت کی تردید مین سب عالمون سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔

ایک دن فنا خسرو نے کہا "ہماری یہ محفل یون تو بڑے بڑے علما سے بھری ہوئی ہے مگر افسوس کہ اہلِ سُنّت کا کوئی عالم موجود نہین۔ جو ہر مسئلے پر اپنے مسلک کی رُو سے استدلال کرے۔ اور ہم دیکھین کہ وہ لوگ کس عنوان سے بحث کرتے ہین"۔ قاضی القضات صاحب نے کہا "اُن جاہلون کو بُلا کے کیا کیجیے گا؟ اُن کا شمار تو عوام کالانعام مین ہے۔ عقل سے اُنھین کوئی سروکار نہین قرآن و حدیث کے متعلق متخالف و متضاد روایتین نقل کرتے ہین۔ سُنی سُنائی باتون پر دار و مدار ہے۔ اور تقلید بحت سے کام۔ ایسے لوگون کی لغو باتون کے سُننے سے فائدہ؟ اُن مین سے ہر ایک فاسق ہے۔ اور اِس کے درپے ہے کہ شمع معرفت کو گُل کر دے۔ مگر واللہ مُتِمُّ نُورِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْن۔ علاوہ برین میرے نزدیک اُن مین سے کوئی اِس قابل بھی نہین کہ نظامِ حکمرانی مین کسی تاجدار کا مشیر و معاون ہو سکے"۔ یہ کہہ کے اُنھون نے معتزلہ عالمون کی ثنا و صفت شروع کر دی۔

قاضی صاحب کی یہ تقریر سُن کر بادشاہ نے کہا "آپ کے

نزدیک تو وہ لوگ بالکل لغو اور بیہودہ ہیں۔ مگر میرے خیال میں دنیا کے اندر کوئی طریقہ اور مذہب ایسا نہیں ہے جس کے حامی و مددگار نہ موجود ہوں"۔ یہ کہہ کر اُس نے ارکان دولت کے نام حکم جاری کر دیا کہ "دیکھو ہماری قلمرو میں کوئی اہلسنت واہل حدیث کا ایسا عالم موجود ہے جو اپنے مذہب کی حمایت میں بحث و مناظرہ کر سکے؟ اور میری علمی محفل میں آکر اپنے اصول کی تائید میں تقریر کرے؟" وہی چار روز کے بعد لوگوں نے عرض کیا "بصرے میں اس صفت کے دو عالم موجود ہیں ایک معمر و سن رسیدہ ہیں اور دوسرے جوان۔ پہلے کا نام ابو الحسن باہلی ہے (یہ حضرت ابو الحسن اشعری کے خاص شاگرد تھے اور وہی ہیں جو حضرت اشعری سے قائل ہو کر شیعہ سے سُنّی ہو گئے تھے) اور دوسرے کا نام ابن باقلانی ہے۔ (یہ وہ ہیں جنھوں نے خصوصیت کے ساتھ امام اشعری کے کلام کو دنیا میں پھیلایا۔) سُنتے ہی بادشاہ نے حکم دیا کہ "دونوں کی خدمت میں سفر خرچ کے لیے کافی رقم بھیج کر اُنھیں یہاں آنے کی زحمت دی جائے"۔

خود قاضی ابو بکر باقلانی فرماتے ہیں کہ اس بادشاہ کا خط اور سفر خرچ ہمارے یہاں آیا تو ہم لوگوں میں مشورہ ہونے لگا کہ دنیا خسرو کے دربار میں جائیں یا نہ جائیں۔ شیخ ابو الحسن باہلی نے فرمایا "یہ فاسق لوگ ہیں۔ اُن کی صحبت میں ہمارا جانا مناسب نہیں ہے۔ ہمیں اُن کے فرش پر بھی قدم نہ رکھنا چاہیے۔ اِس بادشاہ کی ہمارے بلانے میں بجز اِس کے کوئی غرض نہیں ہے کہ دنیا میں مشہور ہو کہ اُس کے

دربار مین ہر قسم اور ہر علم کے علما جمع ہین۔ اُس کا یہ طلب کرنا اگر میرے
خیال مین خلوص نیت کی بنا پر ہوتا تو مین ضرور جاتا۔ لہذا مین تو ہرگز
نہ جاؤن گا"۔ اور لوگون نے بھی اُنھین کی راے سے اتفاق کیا۔

مگر قاضی ابو بکر باقلانی فرماتے ہین مین نے اُن کی تقریر سُن کر
کہا۔ ابن کلاب اور محاسبی وغیرہ اہل سُنت کے اگلے متکلمین نے بھی یہی کہا
تھا کہ مامون کی صحبت مین ہم مین سے کوئی نہ جائے۔ اگر وہ چلے جاتے تو
ممکن تھا کہ مامون مین اتنی سختی نہ پیدا ہوتی۔ اور یہ انجام نہ ہوتا کہ لوگ
امام احمد حنبل کو کشان کشان طرسوس کیطرف لے گئے۔ اتفاق سے مامون
مرگیا اور وہ معتصم کے سامنے پیش کیے گئے جس نے اُن کو قرآن کے مخلوق
کہنے پر مجبور کیا۔ اور انکار کرنے پر اُنھین کوڑون سے پٹوایا۔ اُس وقت
کے متکلمین اگر اُس کے دربار مین چلے جاتے تو امید تھی کہ بحث مین وہی
غالب آتے۔ اُن کے نہ جانے ہی سے مامون کے دل مین جم گئی کہ اہل سنت
کے پاس اپنے دعوون کی کوئی دلیل نہین ہے۔ یہ لوگ اگر معتصم کے سامنے
بھی جاکے اپنے عقائد و مذہب کے وہ علل و اسباب پیش کرتے تو میرا خیال ہے
کہ وہ بھی راہ راست پر آجاتا۔ اور اُمت پر یہ تباہی نہ آتی۔ مگر اُنھون نے
حکومت کے آگے سر جھکا دیا۔ اور ابن حنبل پر جو گزرنا تھی گزر گئی۔
اسی طرح اے اُستاد آپ بھی اگر آج اس بادشاہ کی صحبت علم مین جانے
سے انکار کرین گے تو انجام یہ ہوگا کہ جو مصیبت کل احمد بن حنبل پر گزری
تھی آج ہم پر گزرے گی۔ اور یہ لوگ بڑے زور و شور سے اور نہایت

طمطراق کے ساتھ دعویٰ کریں گے کہ قرآن مخلوق اور رویت بارتعالےٰ محال ہے۔ بہرحال اگر آپ نہ تشریف لے گئے تو اکیلا میں اُس کے دربار میں جاؤں گا۔ اور دیکھوں گا کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے"

یہ کہتے ہی اُنھوں نے سفر کی تیاریاں کر دیں۔ اور شاہی قاصد کے ہمراہ براہ دریا بصرے سے روانہ ہو کر ساحل فارس پر اُترے۔ اور وہاں سے خشکی کا سفر کر کے نہر رکن آباد کے کنارے اُس خطہ میں پہونچ گئے۔ جو زمانہ مابعد میں بڑے بڑے نامی گرامی علما اور سعدی و حافظ کا وطن ہونے والا تھا۔ بادشاہ فناخسرو نے قدر و منزلت کی۔ ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنا مہمان بنایا۔ آخر اس علمی دربار میں اُن کا اور معتزلہ کے درمیان مناظرہ چھڑ گیا۔ معتزلہ کو اگرچہ بڑے بڑے دعوے تھے اور اپنے مقابل اہل سنت و حدیث کو جاہل بتاتے تھے۔ مگر قاضی ابوبکر باقلانی نے ہر مختلف فیہ مسئلہ میں ایسے دلائل و براہین پیش کیے کہ سب کو ساکت و لاجواب ہو جانا پڑا۔ دو ہی چار روز کی بحث میں یہ نوبت پہونچ گئی کہ علمائے معتزلہ اُن کی صورت دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوتے۔ اور کسی کو مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ بادشاہ فناخسرو اپنے اعتزال سے توبہ کر کے اُن کا معتقد ہو گیا۔ اور اپنے بیٹوں کو اُن کے سپرد کیا کہ انھیں مذہب اہل سنت کی تعلیم دیں۔ اس واقعے کی وجہ سے پرانے معتزلی قاضی القضاۃ کا نام مٹ گیا۔ اور قاضی ابوبکر باقلانی کی سارے ایران

مین ایسی شہرت ہوئی کہ پبلک کے عام دربار سے اُن کو "سیف السنۃ ولسان الامۃ" (شمشیر سنّت وزبان اُمّت) کا خطاب عطا ہو گیا۔

الغرض اعتزال کے استیصال کا باعث در اصل متوکل علی اللہ ہوا اور نہ کوئی اور خلیفہ بلکہ اِس کے صحیح بانی حضرت امام ابو الحسن اشعری اور اُن کے شاگردون اور پیرودن کا گروہ علماے اشاعرہ تھا۔ امام الحرمین ابو المعالی جوینی کے زمانے مین ایک متعصب شیعہ وزیر کے ظلم سے جو اصول معتزلہ کا حامی و موید تھا علماے اہل سنّت پر پھر تباہی آئی تھی چنانچہ امام الحرمین اور اُن کے ساتھ صدہا علماے اہل سنّت کو ایران سے بھاگ کے ارض حجاز مین پناہ لینا پڑی تھی۔ مگر چند ہی سال بعد وہ مظالم دور ہوے تو اُن بزرگان اُمت نے پھر اپنے وطن کی صورت دیکھی اور امام الحرمین کا پہلے سے زیادہ دور دورہ تھا۔ اُن کے بعد اُن کے شاگرد امام غزالی اور بعد ازان امام فخر الدین رازی نے اپنی عدیم المثال علمی کوششون سے اعتزال کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ کے پھینک دیا۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ دُنیا مین کہین معتزلہ کا نام و نشان بھی نہ تھا بجز اس کے کہ کبھی کبھی معتزلی الخیال علما و مصنفین البتہ نظر آ جایا کیے۔

اعتزال نے شیعیت کے دامن مین پناہ لی تو علماے شیعہ کی کوشش سے البتہ اُن کے اصولی مباحث فنا ہونے سے بچ گئے۔ اور جب ایران مین دولت صفویہ قائم ہوئی تو شیعیت کے طفیل مین اعتزال کے معتقد عقائد نے پھر قوت حاصل کر لی۔ مگر وہ پُرانا فرقہ معتزلہ آج تک

دنیا مین کہین نہین نظر آیا۔

مگر اس آخر عہد مین اعتزال نے ایک نئے عنوان سے دنیا کو اپنی صورت دکھائی ہے۔ جس کی مفصل کیفیت یہ ہے کہ ہمارے ہندوستان مین اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد جب انگریزون کا دور شروع ہوا تو مذاہب کے عالم مین ایک نیا اور بہت بڑا کون وفساد شروع ہوگیا۔ انگریز کہنے کو نصرانی ہین۔ مگر اُن کی نصرانیت وہ پُرانی نصرانیت نہین جو قرون وسطی مین اسلام سے لڑ رہی تھی! ور جس نے مدتون حروب صلیبیہ کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ یورپ کی موجودہ مسیحیت نے جدید سائنس سے متاثر ہوکر وہان کی علمی دنیا مین ایک قسم کے الحاد اور بے دینی کی شان پیدا کرلی ہے۔ اس سے انکار نہین کیا جاسکتا کہ انگریزون کے جھنڈے کے نیچے نیچے مشنری بھی آئے۔ اور مذہب عیسوی کی تبلیغ کرنے لگے۔ مگر مسلمانون کو اُن سے لڑنا اور مناظرہ کرنا چندان دشوار نہ تھا چنانچہ اکثر مناظرون مین وہ اُن پر غالب آجایا کرتے ہین۔ مگر ملحدانہ دہریت جو مسیحیت کے لباس مین چھپی ہوئی ہے اُس کا مقابلہ کرنا جس طرح ہر مذہب کے لیے دشوار ہے مسلمانون کے لیے بھی آسان نہین۔ یورپ مین اِس الحاد نے مسیحیت کو شکست دے کر اسے [illegible] مطیع ومنقاد بنالیا۔ اور اب دُنیا کے تمام دیگر مذاہب کو مغلوب کرنا چاہتا ہے۔ اسلام جو اپنے گذشتہ علمی دور مین خود اپنے مذہبی دنگل کے اندر معتزلہ واشاعرہ کی کشتیان دیکھ کر ایک بااصول علمی وعقلی مذہب بن چکا تھا۔ اس مسیحیت نما دہریت

سے بھی لڑنے کو تیار ہو گیا۔ مگر یہ نہایت دشوار کام تھا۔ اس لیے
کہ فلسفۂ یونان جس پر پرانے اعتزال کی عمارت قائم کی گئی تھی وہ
خود ہی مسترد اور تقویم پارینہ ہو چکا تھا۔ اور موجودہ سائنس
سے لڑنا ایک بالکل نئے اکھاڑے مین قدم رکھنا تھا۔ اس
دشواری کو سر سید مرحوم نے محسوس کیا۔ وہ علماً پرانے عربی اسکول
کے تعلیم یافتہ۔ مذہباً اہل حدیث کے مسلک کے پیرو۔ حیثیتہً گورنمنٹ
آف انڈیا کے اعلیٰ عہدہ دار۔ اور معاشرۃً انگریزون کے صحبت یافتہ
تھے۔ اس کے ساتھ انگریزون کی ترقیون اور کامیابیون سے مرعوب
ہو چکے تھے۔ اصول اسلام اور سائنس کے موجودہ مسائل پر اُنھون
نے غور کرنا شروع کیا تو فقہ حدیث اور مروجہ علم کلام کو ان مباحث
مین خاموش پایا۔ آخر اُنھون نے معتزلہ کے قدیم اصول کا مطالعہ
شروع کیا۔ بعد ازان امام ابو الحسن اشعری کے محدثانہ علم کلام کو بھی غور
سے پڑھا۔ اور اپنے خیال مین مذہب کا ایک نیا خاکہ قائم کیا۔ جس مین
نہ پورا اعتزال تھا نہ پوری محدثیت۔ اعتزال کا یہ اصول اختیار
کر کے کہ "عقل شرع پر حاکم و قاضی ہے" آزادانہ بحث کی گنجائش نکالی
بعد ازان محدثین کے اس متفقہ اصول سے فائدہ اٹھانا
چاہا کہ صحیح حدیثین دو قسم کی ہوتی ہین متواتر اور خبر آحاد۔ متواتر وہ
ہین جن مین ہر راوی کے طبقہ مین اُس کے ساتھ اتنے راوی روایت
کرتے ہون کہ اتنون کی غلط بیانی کو عقل محال جانے۔ متواتر

حدیثوں کو محدثین یقینی الثبوت تسلیم کرتے اور ثبوتاً قرآن کے درجہ پر رکھتے ہین۔ مگر ایسی حدیثین اگر دو ایک بعض کے نزدیک ہین بھی تو دوسرون کے نزدیک متواتر نہین ہین۔ وہین احادیث خبر آحاد اُنھین پر فقہ اور شریعت کا دار و مدار ہے۔ اور اُنھین الحدیث ظنی الثبوت کہتے ہین یعنی گمان غالب ہوتا ہی کہ رسول اللہ صلعم نے ایسا کہا یا کیا صحاح ستہ اور تمام مسند (مجموعہ ہاے احادیث) اسی پچھلی قسم کی حدیثون یعنی خبر آحاد سے بھرے ہوے ہین۔ اُنھین سے مسائل شرع کا استخراج ہوتا ہی اور اُنھین فقہ حدیث کی ساری عمارت قائم ہی اسی اصول حدیث سے فائدہ اُٹھا کر سرسید نے دعوی کیا کہ خبر آحاد جب ظنی الثبوت ہین تو اُن کی بنا پر کسی بات کا فرض یا واجب ہونا نہین ثابت کیا جا سکتا۔ اس طریقے سے سرسید نے حدیث و فقہ مین بھی ردّ و قدح اور بہ آزادی بحث کرنے کا دائرہ وسیع کر لیا۔ غالباً اُن کا خیال یہ بھی تھا کہ عقلی براہین ادلہ کے مقابلے مین ظنی الثبوت احادیث پر عمل کرنا ضروری نہین ہے۔ اور اُن کے خیال مین عقلی براہین و ادلہ وہ تھے جو جدید علوم اور سائنس کی رو سے ثابت ہون۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح اس زمانے کا الحاد اگلے عہد کے الحاد سے بدتر تھا ویسے ہی اس زمانے کا ایجاد شدہ اعتزال بھی اگلے اعتزال سے بدتر نظر آنے لگا۔ اگلے معتزلہ کو اگرچہ خوارق عادات معجزات و کرامات کے وجود سے انکار تھا۔ مگر وہ اُن آیات قرآنی کو جن مین اس قسم کی باتین مذکور ہین متشابہ کہتے۔ یا اُن مین تاویل کرتے۔ سرسید نے اپنے اس کلام مین دُور از وہم و گمان باتین بنائین۔ اور اُن آیات کو سائنس سے مطابق بنانے کی کوشش مین ایسے عجیب معنی بیان کیے جو قابل مضحکہ معلوم ہوتے ہین۔

سرسید اسی کوشش مین مصروف اور اپنے جدید علم کلام کو مدون کررہے تھے کہ انھین مولانا شبلی کا ایسا قابل اور وسیع النظر عالم مل گیا۔ مولنا شبلی پُرانے مدرسہ عربیت کے تعلیم یافتہ اور سرسید کے خلاف متشدد حنفی تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ کے جوش محبت مین اپنے آپ کو "نعمانی" کہلاتے تھے اگر حقیقت مین اُن کا رتبہ معمولی حنفیون کے درجے سے بڑھا ہوا ہو۔ اسی کوشش مین انھون نے مولنا محمد عبد الحی مرحوم کی بعض مختلف فیہ مسائل مین تردید کی۔ اور وہابیون کے مقابلے مین بدعتیون کے وکیل بن رہے تھے کہ سرسید کی صحبت مین پہونچے۔ اس صحبت نے اُن کو اِس مناظرے کے میدان سے ہٹا کر پہلے تو تاریخی تصانیف کی طرف مصروف کیا۔ اور بعد ازان رفتہ رفتہ اُسی سید احمد خانی کلام کے جنگل مین لا کھڑا کیا۔ چنانچہ انھون نے علم کلام کی تاریخ لکھی حضرت فاروق اعظم حضرت امام اعظم امام غزالی اور مولانا روم کی سیرتین تصنیف کین۔ اور آخر مین سیرۃ النبی کی تصنیف مین مصروف ہوگئے۔ اِن کتابون مین سے اکثر مین محدثین کی طرف سے بدظنی قیاسی اجتہاد کی جنبہ داری۔ اور اکابر معتزلہ کی مدح سرائی ایسی باتین ہین جو صراحۃً اعتزال کی جھلک دکھا رہی ہین۔ اور ایسے ہی بعض اور تصانیف لکھے اسی سلسلے مین اُن کی حنفیت کی محبت اس جانب مائل ہوئی کہ خود اصول و عقائد حنفیہ کو اعتزال کے قریب یا اعتزال ثابت کردین۔

اس کو مین مانتا ہون کہ حنفیہ ابو الحسن اشعری کے اصول و عقائد دین کو پورا پورا نہین مانتے۔ اور نہ اپنے آپ کو امام اشعری کا پیرو

ظاہر کرتے ہین۔ وہ بجاے اشعری کے اپنے تئین اصولاً ماتُریدی کہتے اور امام ابو المنصور ماتُریدی کا پیرو بتاتے ہین۔ لیکن ماتریدیت کو اعتزال یا اعتزال کے قریب بتانا ایسی سخت غلطی ہے جس کو ابتدا سے انتہا تک کا کوئی حنفی عالم قبول نہ کرے گا۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی نے امام ماتریدی اور امام اشعری کو بجز دس باتون کے تمام مسئلون مین متحد و متفق بتایا ہے۔ اور اُن اختلافی مسائل کی نسبت بھی کہا ہے کہ اصولی نہین فروعی مسائل ہین۔ ماسوا اس کی خود حضرت امام ابو المنصور ماتریدی اپنی شرح فقہ اکبر مین اول سے آخر تک معتزلہ کی تردید کرتے اُن کو سخت و سست الفاظ مین یاد فرماتے جابجا احمق بتاتے ہین۔ اور بجز دو ایک جگہ کے تمام اعتقادی مسائل مین امام اشعری کے ہم خیال و ہمزبان ہین۔ مگر قیامت یہ ہے کہ آج کل کی انگریزی تعلیم اور سائنس کے اثر نے انگریزی دان طبقے کی عام حالت یہ کردی ہے کہ وہ مقلدین کے رہنا نہین چاہتے۔ بلکہ ہر امر مین چاہے علوم دینیہ سے واقف ہون یا نہ ہون مجتہدین جاتے ہین وہ اپنے اُس بے تکے جاہلانہ اجتہاد مین اکثر معتزلیت کے قریب پہونچ جاتے ہین اور نہین جانتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہین۔ چنانچہ انگریزی دان طلبہ کا طبقہ بغیر اس کے جانے کہ اعتزال کیا چیز ہے اضطراراً معتزلی بنتا چلا جاتا ہے۔

اسی قسم کے ایک بزرگ نے جنھون نے انگریزی کے سوا عربی کا کوئی عقلی یا نقلی فن نہین حاصل کیا صرف گذشتہ لڑائی کی برکت سے چند روز عربون مین رہ کر عربی بولنے لگے ہین ارادہ فرمایا کہ سارے علم حدیث کو متھ کے ایک نیا مکھن نکال لین مشورے کے لیے میرے پاس آئے اور فرمایا کہ مین نے تمام صحاح و مسانید مین سے اُن حدیثون کو الگ

کرنا شروع کر دیا ہے جن کے راوی دو یا دو سے زیادہ صحابی نہ ہون۔ اس لیے کہ میرے
نزدیک جس حدیث کی روایت صرف ایک صحابی سے ہو حجت نہین ہے۔ مین نے صحابہ کی جانب
سے اس بدگمانی کی وجہ پوچھی تو بعض صحابہ پر اعتراض کرنے لگے آخر مین نے اُنھین مشورہ
دیا کہ اگر اس کام کو آپ کرنا چاہتے ہین تو مہربانی کر کے اپنی زندگی کے کم از کم دس سال حدیث
و فقہ کی تعلیم مین صرف کیجیے اور اس کے بعد اس کار خیر کی طرف توجہ فرمائیے جب تک آپ حدیث
و فقہ کے اصول۔ اور اُن علوم کے اہم مباحث سے واقف نہ ہو جائین ایسا کرنے
مین آپ کو بڑی دشواریان پیش آئین گی۔ اور مین اُن کا شکر گزار ہون کہ
اس کام کے لیے تیار ہونے کی دشواریون کے خیال سے اُنھون نے ہمت ہار دی
اور اپنی اُس مجتہدانہ تصنیف سے قدم روک لیا جس کے جوش مین سنن
اربعہ مین سے دو ایک کی مرمت کر بھی چکے تھے۔

الغرض سب سے زیادہ خطرناک ہمارے یہان کا یہ خود رو
اعتزال ہے۔ علماے ملت بیضاء کا سب سے اہم اور ضروری کام
یہ ہے کہ اس اعتزال کو روکین۔ اور پتہ لگائین کہ انگریزی کالجون
کے طلبہ کیا سے کیا ہوتے جاتے ہین۔ اور کہان پہونچے جاتے ہین۔